مکمل ناول
نایاب جیلانی

نایاب جیلانی

رات کو پچھلے پہر جوں مینہ برسنا رہا تھا۔

طوفان اندر کا ہو یا باہر کا ہمیشہ تباہ کاری ہی مچاتا ہے۔ رات بھر برسنے والی بارش نے صرف وجود سے باہر نہیں بلکہ اندر بھی اودھم مچا رکھا تھا۔ اور پھر بارش رکنے کے بعد بھی کہیں اندر جھکڑ چل رہا تھا۔

اس نے کھڑکی کے دونوں پٹ کھول کر نیچے جھانکا تو ہر طرف کیچڑ اور گندگی کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ گلیوں میں مٹی اور جگہ جگہ پڑے کوڑے کے ڈھیر کی وجہ سے بہت غلیظ بدبو اٹھ رہی تھی۔ سڑک کے دونوں اطراف نئے نئے تعمیر شدہ ڈبل اسٹوری گھر تھے۔ جیسے یہ گھر جدید طرز کے تعمیر ہوئے تھے ایسے ہی ان گھروں کے مکین بھی نئے نئے امیر ہوئے تھے۔

ایک ہی لائن میں بنے تین گھر تو انس کے ان تین دوستوں کے تھے جو میٹرک اور ایف ایس سی کے بعد تعلیم کو خیرباد کر کے ملک سے باہر نکل گئے تھے۔ تنویر بھی عمار ملائیشیا اور محسن اپنی کزن بس منکوحہ کے توسط سے امریکا سیٹلڈ ہو گیا تھا۔ اتفاق سے تنویر، عمار اور محسن آپس میں کزنز بھی تھے۔

اگرچہ کوک کالونی کی اس اسٹریٹ پر بڑی بڑی کوٹھیاں تعمیر ہو گئی تھیں تاہم ذہنی طور پر یہاں کے لوگ ابھی تک پسماندہ تھے۔ اکثریت ان لوگوں کی تھی جو دیہات سے اٹھ کر آ بسے تھے۔ ان ہی میں ایک انس کے والد تھے۔ جو اپنی مختصری زمین کو بیچ کر شہر میں آباد ہوئے تھے۔ یہاں آ کر انہوں نے کریانے کی دکان کھول لی تھی۔ شاید وہ ایک اچھی خوش حال زندگی گزار پاتے اگر انس کے والد کا انتقال نہ ہو جاتا۔ والد کی وفات کے بعد انس کی امی نے کیسے اتنا طویل اور مشکل وقت گزار کر انس کو اعلا تعلیم دلوائی تھی ایک

الگ کہانی تھی۔ سلائی مشین چلا چلا کر ان کے کندھے جھک گئے تھے۔ نظر جاتی رہی تھی مگر انس کے اچھے مستقبل کے لیے وہ ہر قربانی دینے کے لیے تیار تھیں۔ تعلیم مکمل کرکے کچھ عرصہ بے روزگاری کی اذیت سہنے کے بعد قسمت اچانک اس پر مہربان ہو گئی تھی۔ نہ صرف بہت مناسب سیلری پیکیج پر جاب مل گئی

بلکہ اچانک اس کا رشتہ بھی طے ہو گیا۔

ہوا کچھ اس طرح کہ جس کمپنی میں بطور مینیجر وہ نیا نیا اپائنٹ ہوا تھا اسی کمپنی کے سینئر آفیسر نے انس کو بطور داماد پسند کرلیا تھا۔ وہ ایک مہربان اور جوہر شناس آدمی تھے اور ایک ڈیپوٹیشن کے ہمراہ آئے تھے مختصر سی ملاقات کے بعد انہوں نے بصد اصرار انس سے فون نمبر اور ایڈریس وغیرہ لے لیا تھا۔ پھر اگلے چار پانچ ماہ کے دوران وہ کئی مرتبہ پنڈی آتے رہے۔ ہر دفعہ انس سے ملاقات کے بعد ان کے مزاج میں اور بھی تبدیلی اور نرمی آجاتی۔

کچھ عرصہ بعد وہ انس کی امی سے ملنے ان کے گھر بھی آگئے۔

انہی دنوں میں اکرام صاحب کی علالت کا پتا چلا تب انس اور اس کی امی اچھے تعلقات اور اکرام صاحب کے بہترین برتاؤ کی وجہ سے ان کی عیادت کے لیے لاہور گئے تھے' وہیں امی نے شفا کو دیکھا اور پسند کرلیا۔

دیکھا جائے تو شفا اور انس کا کوئی جوڑ نہیں بنتا تھا۔ ان کے رہن سہن' اسٹیٹس' مزاج' رکھ رکھاؤ' ہر بات میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ شفا کے بارے میں بھی سننے میں آیا تھا وہ صرف حسین ہی نہیں بلکہ بہت نخریلی اور نازک مزاج لڑکی ہے۔ ایسی باتیں سن کر انس نے دبے دبے لفظوں میں ماں کو سمجھانے کی کوشش بھی کی تھی مگر اس وقت امی اکرام صاحب کے اخلاق اور شفا کے حسن سے اتنی متاثر تھیں کہ اس کی ایک نہ سنی پھر یہ بات تو انس کو بعد میں پتا چلی تھی کہ شفا کی ممی اور بڑی چار بہنوں سمیت کوئی بھی انس کے ساتھ اس رشتے پر خوش نہیں تھا مگر اکرام صاحب کے سامنے

کسی کی ایک نہیں چلی تھی اور محض چند مہینوں کے اندر اندر انس اور شفا کی شادی ہو گئی۔

انس شادی کے بعد بہت کم اپنے سسرال گیا تھا بس شفا سے اس کے والد آکر مل جاتے تھے یا پھر ساتھ بھی لے جاتے مگر یہ سلسلہ اکرام صاحب کی اچانک وفات کے بعد رک سا گیا تھا۔ پھر شہزادی اور مونس کی پیدائش کے بعد شفا خود بھی لوکل ٹرانسپورٹ سے سفر

کرنے اور آنے جانے سے گھبرانے لگی تھی۔

شفا کا مزاج عجیب تھا۔ وہ بیک وقت ظالم اور مظلوم دونوں روپ اپنائے تھی۔ اس کے مزاج میں نخوت بھی ہے وہ انس کے گھر کی ایک ایک چیز کا موازنہ میکے والے گھر سے کیا کرتی تھی۔ اگرچہ اس نے زبان سے کبھی اظہار نہیں کیا تھا مگر انس جانتا تھا' وہ اس کے گھر میں آکر خوش نہیں ہے۔ وہ بہت کم گو تھی زیادہ تر سنجیدہ رہتی تھی۔

شفا کا رویہ صرف انس کے ساتھ ہی نہیں بلکہ اس کی دو چھوٹی بہنوں کے ساتھ بھی ایسا ہی سرد قسم کا تھا۔ اور امی کو تو شاید وہ کسی گنتی میں شمار ہی نہیں کرتی تھی۔ ان ساڑھے چھ سالوں میں انس نے کبھی بھی شفا کو اپنی ماں کے ساتھ بیٹھ کر بات چیت کرتے یا ہنستے مسکراتے نہیں دیکھا تھا۔ اس کی کم گوئی یا نخریلا پن اب سنجیدگی میں بدل چکا تھا۔

کبھی کبھی انس کے لیے شفا کی سنجیدگی کو برداشت کرنا ایک عذاب بن جاتا تھا اور اس کا دل چاہتا' وہ چیخ چیخ کر یا تو اس بت کے اندر جان ڈال دے یا پھر خود بھی کسی پتھر کے بے جان بت میں تبدیل ہو جائے۔

خاموشی اور سنجیدگی اس کے مزاج کا حصہ نہیں تھی۔ اندر تو وہ جانتا ہی تھا بس فرق اتنا تھا انس کی زندگی میں شامل ہو کر وہ گھٹ گھٹ کر جینے لگی تھی۔ شاید وہ خود بھی اس بوجھل الجھن زدہ زندگی سے تنگ آچکی تھی مگر واپسی کا چونکہ اس کے پاس کوئی راستہ نہیں تھا سو مارے باندھے وقت گزارنا اس کی مجبوری کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا۔

جو فاصلے اول روز سے ان کے درمیان در آئے تھے وہ آج تک قائم تھے۔ نہ تو شفا نے ان فاصلوں کو کم کرنا چاہا تھا اور نہ انس کو اپنے گرد بنائے حصار کے اندر داخل ہونے دیا تھا۔

انس کو اپنی ذات میں خوار کرنے کے لیے یہ احساس کیا کم تھا کہ وہ کسی کے لیے ان چاہا ہے‘ ناپسندیدہ ہے۔ وہ کسی بوجھ کی طرح شفا کے ضبط اور صبر کو آزماتا ہے۔

وہ جب بھی اس کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتا‘ شفا کی اپنی خود ساختہ حدود‘ رویے اور گہری چپ اسے رک جانے پر مجبور کردیتی تھی۔ یہ گزشتہ رات کا ہی تو قصہ تھا۔ گزری ہوئی خاموش رات جب اچانک آسمان سے مینہ برسنے لگا تھا۔ آندھی و طوفان کے جھکڑ چلنے لگے تھے۔ گرد کے بگولے اڑنے لگے تھے۔ تب شفا نے بچوں کے بستر لگاتے ہوئے اسے بہت سرسری انداز میں بتایا تھا۔

”خیام کا رشتہ طے ہوگیا تھا۔“ اس کا لہجہ ہمیشہ کی طرح لاتعلق تھا۔ گویا خیام اس کا سگا بڑا بھائی نہ ہو بلکہ کوئی پڑوسی ہو۔

بہت دیر تک شفا کے مزید بولنے کا انتظار کرنے کے بعد بالآخر انس کو ہی زبان کھولنا پڑی تھی ورنہ وہ تو وہ لفظ بول کر اب بھاگ کر لاؤنج‘ اسٹور‘ کچن وغیرہ کی کھڑکیاں دروازے بند کررہی تھی۔

”خیام کا رشتہ طے ہوگیا ہے۔ یہ بات پچھلے دو ماہ سے میرے علم میں ہے۔ اس سے آگے کی خالی جگہ بھی پُر کردو۔ کیا ڈیٹ فکس ہوگئی؟“

نا چاہتے ہوئے بھی انس کا لہجہ سخت ہوگیا تھا۔ دراصل خیام کا رشتہ طے ہوجانے کے بعد شادی کی ڈیٹ فکس ہونے کا مطلب تھا۔ ایک لمبا چوڑا خرچا۔ وہ دل ہی دل میں گہری پریشانی کو چھپائے تخمینے لگانے لگا تھا۔ اسے تو یقین تھا پچھلے چار ماہ کی بچت شفا اور بچوں کے کپڑوں‘ جوتوں اور پھر خیام کے لیے گفٹ وغیرہ کی خریداری میں خاک دھول ہوجائے گی۔ انس کی پریشانی فطری تھی۔ ابھی تو اس کی پانچ سالہ بیٹی شہزادی کی ٹیوشن فیس۔ کہ ساتھ ساتھ مونس کو اسکول بھیجنا تھا۔ چھیالیس ہزار تنخواہ کے جیب میں آتے ضرور تھے۔ جانے کہاں جاتے تھے اس کی خود سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

”آں... ہاں... میں بیچاری تھی خیام کا رشتہ طے ہوا تھا اب وہاں سے بات ختم ہوگئی۔“ شفا نے دھیمی آواز میں وضاحت کی تھی۔

”بات ختم ہوگئی مگر کیوں؟“ وہ حیرت زدہ سا پوچھ رہا تھا۔ خیام میں کوئی کمی نہیں تھی۔ سارے بہن بھائیوں میں خیام اور شفا غیر معمولی خوبصورتی رکھتے تھے۔ اگرچہ باقی سب بھی خوش شکل تھے تاہم ان دونوں کی بات کچھ الگ تھی۔ خیام کی جاب بھی بہترین تھی۔

”وہ دراصل...“ شفا ہچکچاتے ہوئے بولی۔ اس کے چہرے پر واضح پریشانی کی چھاپ تھی۔ انس کو قدرے الجھن ہونے لگی۔

”تمہاری ممی جیسی ساس کو برداشت کرنا معمولی بات نہیں۔ یقیناً رشتہ ٹوٹنے کی یہی وجہ ہوگی۔“ انس نے بڑے اطمینان سے اصل وجہ دریافت کرکے شفا کو لاجواب کردیا تھا اور اب اس کے پھیکے پڑتے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے کی رنگت بدل رہی تھی۔ گھنی پلکوں کی جھالر پر انس کو ننھے ننھے سے ستارے نظر آئے تھے مگر پلک جھپکنے تک کا نظارہ تھا۔ شفا نے گردن موڑ کر کسمساتے مونس کو تھپکنا شروع کردیا تھا۔

”تمہاری ممی ڈبل آف لوگوں کو پسند کرتی ہیں۔ میری ناقص معلومات کے مطابق خیام کا رشتہ جہاں کیا گیا تھا وہ لوگ خاصے غریب تھے۔“

شفا خاموش رہی تھی۔

”تمہارا مراقبہ تو شاید رات بھر پہ محیط ہوگا۔ مجھے صبح آفس جانا ہے۔ سو میں سونے لگا ہوں۔ برائے مہربانی لائٹ آف کردو۔“ انس نے انتہائی غصے سے

تکیہ اٹھا کر سیدھا کیا اور اندرونی جھنجلاہٹ چھپاتے ہوئے سر تک کمبل کھینچ لیا۔ اور جیسے اس کے پاس کہنے کو بھی کچھ نہیں تھا۔

"انس ۔۔۔" اسے شفا کی ہلکی سی آواز سنائی دی تھی۔ انس نے کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ شفا کی منمناہٹ پر اچانک امڈ آنے والی نیند غالب آگئی تھی۔

"آپ سو گئے ہیں انس؟" گہری نیند میں جاتے انس کو محسوس ہوا تھا کہ شفا بہت آہستگی کے ساتھ اس کا کندھا ہلا کر جگانے کی کوشش کر رہی ہے۔

☼ ☼ ☼

سورج کی شفاف کرنوں کے بکھرتے ہی شفا کے پیروں میں پہیے لگ جاتے تھے اگرچہ وہ انس کی پوری تیاری کر کے رات کو سوتی تھی تاہم پھر بھی عین وقت پر کچھ نہ کچھ ضرور رہ جاتا تھا جو بدمزگی کا سبب بنتا۔ اسی طرح شہزادی کی تیاری بھی بہت صبر آزما مرحلہ تھا۔ وہ بہت نخریلی بچی تھی۔ شفا کو اپنی بچی کا نخرہ سلوی آپی کی طرح لگتا تھا۔ اس کی بڑی تینوں بہنیں ہی خاصی نخریلی اور نازک مزاج تھیں اور شہزادی بھی شاید اپنی خالاؤں پر چلی گئی تھی۔ اس کا نام امی نے شہزادی رکھا تھا سو مزاج بھی شہزادیوں جیسا پایا تھا۔

شہزادی کو تیار کر کے وہ کچن میں فٹافٹ ناشتا بنا رہی تھی جب انس بھی تیار ہو کر آگیا۔ عموماً" وہ اپنی تیاری کے دوران شفا کو بلاوجہ آوازیں دے کر یو کھلانا ہرگز نہیں تھا۔ خاموشی کے ساتھ تیار ہو کر ناشتا کرنا اور آفس چلا جاتا۔ ناشتے کے نام پر بھی کچھ الٹا سیدھا کا جیسا تیسا سامنے رکھ دو، اگر کچھ پسند نہ آتا تو بغیر جتائے اور بغیر کھائے نکل جاتا۔ اگر کھانا اچھا ہوتا تو پھر رغبت سے کھا لیتا اور شفا چپ چاپ برتن سمیٹ لیتی۔

آج صبح انس کچن میں رکھے موڑھے پر بیٹھ گیا تھا۔ شفا نے پھرتی کے ساتھ میز پر ناشتے کے لوازمات چن دیے تھے۔ تب شہزادی بھی کچن میں داخل ہوئی۔

"پاپا! مجھے اسکوائرڈ بلکر سائز بک اور پرائم لینا ہے۔" اپنی عادت کے عین مطابق اسکول جاتے ہوئے اسے اپنی ضروری چیزیں یاد آرہی تھیں۔ اور اس کی فہرست سن کر انس کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔

"کم از کم اس کا اسکول بیگ تو چیک کر لیا کرو، ہر وقت مراقبے میں کھونا اور سوچوں میں گم رہنا۔ نکل آؤ ماضی کی بھول بھلیوں سے۔ حقیقت کو تسلیم کرو۔ یہی اصل زندگی ہے۔"

انس کی بے وقت جھاڑنے اور ماضی کی بھول بھلیوں والے طعنے نے شفا کے دل کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ وہ بھلا کون سے ماضی کو سوچ رہی تھی۔ اس کے ذہن میں تو موٹس کا ایڈمیشن چکرا رہا تھا۔ مگر ہمیشہ کی طرح بات بڑھانے کے بجائے اس نے انس کو جواب

دے کر مزید ناراض کرنے سے پرہیز کیا تھا۔ اور انس جو اسے بولنے پر اکسا رہا تھا اپنی بات ضائع جانے دیکھ کر اور بھی چڑ گیا۔

"منہ میں گھنگھنیاں ڈال کر بیٹھ جاتی ہو کوئی بے شک جتنا مرضی بھونکتا رہے۔" اسے ایک دم غصہ آگیا مگر شہزادی کی موجودگی میں اسے اپنے لہجے پر کنٹرول رکھنا پڑا تھا۔

"شہزادی کو ناشتا کروا دو۔ میں امی کے کمرے میں ہوں۔" انس چائے کا کپ اٹھا کر امی کی مزاج پرسی کرنے ان کے کمرے میں چلا گیا تھا۔ شفا نے بہتے کی فید سے ایک تھکا تھکا سا سانس خارج کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ جانتی تھی امی کے کمرے سے باہر آکر انس کا موڈ پہلے جیسا فریش ہرگز نہیں رہے گا۔ اور یہ تو ہمیشہ سے ہوتا آرہا تھا۔ وہ دھندلی نظروں سے انس کی پشت کو دیکھ رہی تھی۔ وہ چائے کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتا امی کے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ امی ہمیشہ کی طرح گرم بستر میں دبکی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ اسے آتے دیکھ کر انہوں نے تسبیح ایک طرف رکھ دی تھی۔

"آفس جا رہے ہو بیٹا!" انہوں نے ہمیشہ کی طرح اس کے ماتھے پر پیار کیا تھا۔ انس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ناشتا کر لیا ہے؟" ان کا دوسرا سوال بھی معمول کے مطابق تھا۔

"جی امی!" انس نے کپ خالی کر کے میز پر رکھ دیا۔ اب وہ پانشتی کی طرف بیٹھ کر دھیرے دھیرے امی کے پیر دبا رہا تھا۔

"تمہاری بیوی نے اب تک ناشتا نہیں بنایا۔ اتنے سال ہوگئے ہیں مگر اسے کھانا پکانا نہیں آسکا۔" ان کا تیسرا جملہ بھی معمول کے مطابق تھا۔ امی کو شفا سے انس کی طرح بہت سے گلے تھے جن میں سرفہرست یہی شکوہ تھا کہ شفا کو کھانا اچھا بنانا نہیں آتا۔

"بس امی! گزارا تو ہو ہی جاتا ہے۔" اس نے دبے دبے سے لہجے میں کہا تھا۔ وہ صبح صبح شکوے شکایات کے دفتر نہیں سننا چاہتا تھا۔

"گزارا ہی تو کر رہے ہیں۔" امی نے ٹھنڈی آہ بھری۔ "بیٹی کی صورت اٹھا لائے ہیں۔ نہ سینا پرونا آتا ہے نہ کھانا پکانا۔" یہ شکوہ بھی برسوں پرانا تھا جب سے وہ اس گھر میں آئی تھی انس مسلسل یہی سنتا آرہا تھا۔ اور یہ بات کسی حد تک ٹھیک بھی تھی۔ شفا کو حقیقت میں بٹن ٹانکنا بھی نہیں آتا تھا۔

یہ شادی کے شروع دنوں کی بات تھی۔ جب روٹین لائف کے شروع ہوتے انس کو دفتر جانے کے لیے تیار ہونا پڑا تب وہ اپنی شرٹس کا ڈھیر اٹھائے آٹا گوندھتے میں ابھی شفا کے پاس لے آیا تھا۔

"ان کے بٹن ٹوٹے ہوئے ہیں۔ فارغ ہو جاؤ تو لگا دینا۔" اس نے وہ سارا ڈھیر تخت پر رکھ دیا تھا جسے دیکھ کر شفا کو ہول اٹھ رہے تھے۔ اپنے میکے میں وہ ان سمیت دیگر ہر جھنجھٹ سے آزاد تھی مگر یہ آزادی تب سلب ہوگئی تھی جب شفا کے بابا نے اچانک ایک مڈل کلاس فیملی میں اس کا رشتہ طے کر دیا تھا۔

انس کے پرپوزل کی تقریباً" گھر کے ہر فرد نے مخالفت کی تھی۔ اس کی ممی اور بہنیں انس کے ساتھ شادی پر راضی نہیں تھیں تاہم انس سے ملنے کے بعد اس کے بھائی ذیشان اور خیام کے خیالات بدل گئے تھے۔ انہیں انس بہت پسند آیا تھا۔ خصوصاً" خیام انس کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا تھا اور خیام نے ہی سب سے زیادہ اس رشتے کی حمایت کی تھی۔

اس نے ممی کو نجانے کیسے قائل کیا تھا حالانکہ ممی کسی بھی طرح شفا کی شادی مڈل کلاس فیملی میں نہیں کرنا چاہتی تھیں مگر انس کو دیکھ کر وہ کچھ تذبذب کا شکار ہوگئی تھیں۔ اپنے بڑے تینوں دامادوں کی نسبت انس کی وجاہت دیکھ کر انہیں خاموش ہونا پڑا تھا۔ سلویٰ ' ماورا اور مینا کے شوہر اگرچہ اعلا عہدوں پر فائز تھے اور اونچے گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے تاہم ان کی نازک اندام خوبصورت بیٹیوں کے ساتھ کا کوئی جوڑ نہیں بنتا تھا۔ سو انس کے ایک پلس پوائنٹ کو مدنظر رکھ کر اس کی شادی انس سے کر دی گئی تھی۔

اسے یاد تھا' شادی سے دو دن پہلے سلویٰ آپی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔

"مڈل کلاس فیملی سے سب کو خوب دبا کر رکھنا۔ اس کی ماں بہنوں کو بھی سر پر چڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔" سلویٰ آپی کی یہ نصیحتیں سسرال میں آکر خود بخود خاک دھول ہوگئی تھیں جب ساس نے پہلی رات ہی سمجھا دیا۔

"بہو رانی! پورے خاندان کی لڑکیوں کو ایک طرف کر کے تمہیں بیاہ کر لائی ہوں۔ میرے اکلوتے بیٹے کو سنبھال کر مت بیٹھ جانا۔ اپنی عمر بھر کی کمائی تمہارے حوالے کر دی ہے۔ بس لاج رکھ لینا ہماری۔"

انس کی امی نے جو پہلی رات اسے سبق پڑھایا تھا' وہ اس کے ذہن کی سلیٹ پر گویا جم گیا۔ رہی سہی کسر انس نے پوری کر دی۔ اس کا سیاق و سباق بھی تقریباً امی کی عزت' خدمت اور اس کی بہنوں کے ساتھ پیار سلوک کے گرد ہی گھومتا رہا تھا۔ شفا کو وہ کوئی لیکچر معلوم ہو رہا تھا' تاہم ایک بات اسے اچھی طرح سے سمجھ میں آگئی تھی کہ آج کے بعد اس کی اپنی ذات کہیں دور بہت دور کھو گئی ہے۔ یہاں سب سے پہلے انس کی ماں بہنیں پھر خود انس اور بعد میں بچے۔ اس کی اپنی ذات تو کہیں بھی نہیں تھی۔ اتنے سارے لوگوں نے اس اکیلی سے بے شمار توقعات وابستہ کر لی تھیں اور اسے ان کی توقعات پر پورا اترنا ہی تھا۔

اور انس کو لگتا تھا' وہ اس ماحول میں ابھی تک

اجنبیت محسوس کرتی ہے۔ وہ یہاں خوش نہیں' ایک سمجھوتا بھری زندگی گزار رہی ہے۔ انس کی ان سوچوں پر امی کے تبصرے اکثر مہر ثبت کر دیتے تھے۔

"ارے عید کے عید بھی نہیں مسکراتی۔ جانے کس کا غم جان کو لگائے بیٹھی ہے۔" امی بغیر نتائج کی پروا کیے بے لاگ تبصرے کیے جاتی تھیں۔ اس بات کو جانے بغیر کہ انس پر ان کے الفاظ کس کس انداز میں اثر انداز ہوتے تھے۔ اور وہ کہاں کہاں اسے ذہنی اذیت میں مبتلا کرتی تھیں۔

"اتنے سالوں میں ایک روز بھی اسے خوش نہیں دیکھا۔" وہ مایوسی کے عالم میں ہاتھ ملتی تھیں۔ اور کبھی اس کے سر جھاڑ منہ پہاڑ حلیے کو دیکھ کر بولے بنا نہ رہتیں۔

"پیا جانا لگتی ہی نہیں۔ کبھی شوہر کے آنے سے پہلے سنگھار ہی کر لیا ہوتا۔" وہ جو مشین لگائے دھڑا دھڑ کپڑے دھو رہی ہوتی ان کے مشورے سن کر دل مسوس کر رہ جاتی تاہم قریب ہی موجود انس کو کڑھنے کے لیے ایک اور پہلو نظر آجاتا۔

"کیا ضرورت ہے بننے سنورنے کی۔ یہاں کون سا داد و تحسین کے ڈونگرے برسانے والے موجود ہیں۔" کبھی کبھار اس کی کڑھن زبان پر بھی آجاتی تھی تب وہ پیچ کر باہر نکل جاتا۔ تاہم شفا کے لیے اس کے دل میں گرہ ضرور پڑ جاتی تھی۔ جیسا کہ اس وقت امی کے الفاظ اس کا موڈ بگاڑ رہے تھے۔ اس کا مزاج برہم ہو رہا تھا۔

"اپنے چاؤ چونچلوں سے ہی فرصت نہیں۔ بھائی کا رشتہ طے ہو گیا۔ ادھر نند کی کوئی فکر نہیں۔ میری جان سولی پر ٹنگی ہے۔" امی کو آبدیدہ دیکھ کر انس مدھم پڑ گیا تھا۔

"آپ رابی کے لیے کیوں پریشان ہوتی ہیں۔ ابھی تو اس نے بی اے کیا ہے۔ کون سا عمر گزر رہی ہے۔" اس نے ماں کا ہاتھ ہولے سے دباتے ہوئے تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔

"اپنی نظروں کے سامنے رابی کو وداع کرنا چاہتی ہوں۔ میری خواہش غلط تو نہیں۔" وہ قدرے برہم انداز میں بول رہی تھیں۔

"مگر امی! اچھے رشتے درختوں پر نہیں اُگتے۔ میں نے کچھ لوگوں کو کہہ رکھا ہے۔ اللہ جلد ہی کوئی بہتر سبیل نکالے گا۔" انس پر امید تھا مگر امی کی گھبراہٹ کم نہیں ہو رہی تھی۔ خیام کا رشتہ طے ہونے کا سن کر تو انہیں ہول اٹھ رہے تھے۔

"اتنا نہ ہوا کہ نند کی بات ہی چلا دیتی۔ اس کے تو ہاتھ میں تھا' ماں سے کہتی تو ہو جاتا۔ مگر کا ہے کو کرتی۔" امی بڑبڑا رہی تھیں۔

"کیا مطلب میں سمجھا نہیں امی!" انس نے فکر مندی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں بیٹا! ایسے ہی خیال آیا تھا۔"

"کیسا خیال؟" وہ ایسے ہی بات نظر انداز کرنے والا نہیں تھا۔ امی گویا پھنس کر رہ گئی تھیں۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے ذرا دبے لہجے میں بولیں۔

"خیام کا رشتہ طے ہو گیا؟" انس نے گہرا سانس خارج کر کے کہا۔

"ہوا تھا اور اب ٹوٹ بھی گیا۔"

"ارے وہ کیوں؟" امی کا منہ کھلا رہ گیا تھا۔

"یہ تو نہیں پتا۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔

"کیسی تھی ہے' بتایا ہی نہیں۔" امی نے زیر لب بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ تب ہی شہزادی کمرے میں جھانک کر قدرے خفگی سے بولی تھی۔

"پاپا! میں لیٹ ہو رہی ہوں۔" انس اپنی کھنکارتی مہران کی چابی اٹھا کر امی کو اللہ حافظ کہتا باہر نکل آیا تھا۔ شہزادی اس کے برابر چل رہی تھی اور شفا اس کا لنچ باکس اور بیگ اٹھائے تقریباً بھاگتے ہوئے ان کے پیچھے آرہی تھی۔ گاڑی کے پاس پہنچ کر اس نے پھولی سانسوں سمیت دھیمی آواز میں کہا۔

"انس! آپ سے ایک بات کرنا تھی۔"

"تمہیں ہمیشہ گیٹ کے پاس پہنچ کر یا سونے کے وقت ہی ضروری باتیں یاد آتی ہیں۔" اس کے ہاتھ سے لنچ باکس اور اسکول بیگ پکڑ کر فرنٹ سیٹ

سنبھالتے ہوئے انس نے طنزیہ لہجے میں کہا تھا شفا خفت زدہ سی وہیں سر جھکائے گہری سوچ میں ڈوب کر رہ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"شفا! آج ناشتہ دو گی یا نہیں۔ اب تو آنتیں بھی سکڑ گئی ہیں۔" امی کی آواز سن کر تقریباً بھاگتے ہوئے کچن تک پہنچی۔ جیسے تیسے جلدی جلدی ناشتہ ٹرے میں سجا کر واپس لاؤنج میں آئی تو امی ٹرے کو دیکھ کر بے زار صورت بنائے بولیں۔

"پھر دلیہ! ارے کب جان چھوڑو گی اس کی۔ مجھ سے یہ لئی اب نہیں کھائی جاتی۔" ان کا موڈ بگڑ گیا تھا۔

وہ جتنی خوش خوراک تھیں، اتنا ہی ڈاکٹر نے انہیں پرہیز بتا رکھا تھا۔ عموماً شفا کھانے میں امی کی پسند کو مدنظر رکھ کر مینو ترتیب دیتی تھی۔ اس کے باوجود امی کی بے زاری عروج پر ہوتی تھی۔ شاید بیماری نے انہیں چڑچڑا کر رکھا تھا۔ اور بیماری کی ہی وجہ سے ان کی زبان کا ذائقہ بگڑ گیا تھا۔ کچھ بھی کیسا ہی کیوں نہ بنا کر پیش کیا جاتا انہیں اس میں کوئی ذائقہ محسوس نہیں ہوتا تھا۔

"انس کہہ رہے تھے صبح کے وقت آپ کو نرم غذا ہی دینا ہو گی۔ لنچ میں آپ جو کہیں گی بنا دوں گی۔" ٹرے تخت پر رکھ کے وہ دوبارہ مختصر سے کچن میں کھڑے ہو کر برتن دھونے لگی تھی تب رانی اور موئس بھی اٹھ کر کمروں سے باہر نکل آئے تھے۔

موئس کو نیند سے اٹھنے کے فوراً بعد ماں کی گود چاہیے ہوتی تھی سو شفا کام ادھورا چھوڑ کر موئس کی نازبرداریوں میں لگ گئی۔ رات کے طوفان کی وجہ سے دھول مٹی سے ہر چیز اٹی پڑی تھی۔ گندگی، گرد اور ہر چیز بکھری دیکھ کر اس کی نفاست پسند طبیعت بگڑ رہی تھی مگر موئس کے لاڈ ختم نہیں ہو رہے تھے۔

"بھابھی! مجھے بس چائے دے دیں۔ رات سے نزلہ ہو رہا ہے۔" رانی کھانستے ہوئے ماں کے قریب ہی تخت پر لیٹ گئی تھی تب شفا سر ہلا کر پہلے رانی کو چائے دے کر آئی پھر موئس کو ہزار جتن کے بعد ناشتہ کروا کر کھیلنے میں لگایا اور پھر خود کمر کس کے گھر کی صفائی میں جت گئی۔ کچھ دیر بعد رانی بھی اس کا ہاتھ بٹانے لگی تھی۔ وہ عموماً صفائی وغیرہ کر دیا کرتی تھی۔ رات کا سالن بھی رانی بناتی تھی البتہ آٹا گوندھ کر روٹی پکانا شفا کے ذمے تھا۔ رانی بہت نرم خو، حلیم مزاج رکھتی تھی جبکہ رانی سے بڑی شازی کا مزاج خاصا روکھا تھا۔ شاید شادی کے بعد اس کا مزاج بھی بدل گیا تھا۔ گھریلو تلخیاں مزاج پر کس طرح سے اثر انداز ہوتی ہیں۔ یہ شفا سے بہتر کون جانتا تھا۔

رانی جس قدر نرم طبع تھی، انس اور امی اسی قدر روکھا مزاج رکھتے تھے۔ شفا کے لیے ان دونوں کو سمجھنا بہت مشکل تھا۔ جہاں اس کے میکے والوں کا ذکر آتا وہیں انس کے ماتھے پر بل پڑ جاتے۔ انس شاذ و نادر ہی اس کے میکے جاتا تھا۔ اور جب چلا جاتا تو پھر اس کا کئی کئی دن تک موڈ بحال نہیں ہوتا تھا۔ شادی کے شروع دن کے علاوہ تو کبھی وہ لاہور گیا ہی نہیں تھا اور اس وقت جو تھوڑی بہت بدمزگیاں ہوئی تھیں، ان کو بھلانا انس جیسے بندے کے لیے قطعاً ناممکن تھا۔ جب بھی اسے موقع ملتا، وہ جتائے بغیر نہیں رہتا تھا۔

اس وقت ممی کا رویہ بھی انس کے ساتھ ٹھیک نہیں تھا۔ اس وقت سے انس کے دل میں ممی کے خلاف جو گرہ پڑی تھی وہ آج تک کھل نہیں سکی تھی۔ البتہ ذیشان اور خیام کے متعلق انس کے خیالات کافی مختلف تھے۔

انس کے رویے کے بارے میں سوچتے ہوئے وہ ایسی محو ہو گئی تھی کہ اسے امی کے پکارنے کی آواز نہیں آئی۔ انہوں نے جب تیسری مرتبہ آواز لگائی تب وہ ہڑبڑا کر چونکی تھی۔

"آپ نے بلایا امی!" وہ خجل سی تیز تیز چلتی ان کے قریب آئی تھی تب امی نے اپنے ازلی بے زار لہجے میں کہا تھا۔

"ہاں بی بی! تمہیں بلانے کی غلطی کر لی تھی میں نے۔ نجانے کن خیالوں میں گم رہتی ہو۔" ان کا

اندازہ بینڈ کی طرح جلا گیا تھا۔ شفا نے تحمل سے پوچھا۔

"کچھ کام تھا کیا؟"

"کام کوئی نہیں تھا۔ مجھے تمہیں بلایا تھا' بچے کو دیکھو۔ سیڑھیاں اتر کر نیچے نہ چلا گیا ہو۔" امی پوتے کے لیے فکر مند تھیں۔ شفا نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا تو مونس کہیں نظر نہیں آیا تھا۔ اس کے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی تھی۔ گھبراہٹ میں بھاگتے ہوئے وہ نیچے آئی تو مونس کو کھلے گیٹ کے پاس کھڑے دیکھا۔ مونس کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی تھی۔ اس نے بے ساختہ اسے اٹھا کر چوما۔

لاؤنج میں داخل ہو کر اس نے مونس کو اتارا اور پھر دوبارہ کچن کے کاموں میں جت گئی تھی۔ مونس اب دادی کی گود میں چڑھ گیا تھا اور وہ شفا پر غصے ہو رہی تھیں۔

"تمہاری ماں کو پروا نہیں۔ نجانے کون سے مسئلے حل کرنے میں لگی رہتی ہے۔ نادان بچہ اگر گلی میں نکل جاتا۔ پڑوسیوں کی اتنی بڑی بڑی موٹریں ہیں۔ اندھا دھند چلاتے ہیں۔ اگر کوئی کچل ہی جاتا۔"

"اللہ نہ کرے۔" اس کا اپنا دل ابھی تک قابو میں نہیں تھا۔

"تمہارا باپ آتا ہے تو بتاتی ہوں۔ اب اگر گلی میں نکلے تو ٹانگیں توڑ دوں گی۔" امی اب مونس کو دھمکا رہی تھیں اور وہ باپ کے ذراوے پر خوف زدہ سا دادی کے ساتھ چپک گیا تھا۔

"پاپا کو مت بتایئے گا دادی! مونس اب باہر نہیں نکلے گا۔"

"اب میں کچھ بولوں گی تو تمہیں اور تمہاری ماں دونوں کو برا لگے گا۔" وہ خفا خفا سی بولی تھیں۔

"تو آپ نہ ہی بولیں امی!" منہ پر دوپٹہ لیے رانیا آہستہ آواز میں کہہ کر کروٹ لینے لگی تھی۔ اس کی طبیعت زکام کی وجہ سے کچھ زیادہ ہی بوجھل ہو رہی تھی۔

"لو اور سن لو! زبان کو تالا لگاؤں؟" امی گویا صدمے سے بے حال ہو گئیں۔

"دادی! زبان کو تالا کیسے لگتا ہے؟" مونس حیران حیران سا ان کے گال پر ہاتھ رکھے پوچھ رہا تھا اور امی نے غضب کر جواب دیا۔

"اپنی ماں سے پوچھو' جس کی زبان کو تالا لگا ہوا ہے۔ مجال ہے جو ذرا سامنے سے کچھ پھوٹ دے۔ بھائی کا رشتہ توڑا' ہمیں ہوا تک لگنے نہیں دی۔" امی کی بڑبڑاہٹ اتنی اونچی تھی کہ کچن میں کام کرتی شفا نے باآسانی سن لی۔

"میں آپ کو ہوا دوں دادی!" مونس کو اس پورے جملے میں لفظ ہوا کے علاوہ کچھ اور سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ سو وہ فوراً چھلانگ لگا کر تخت سے اترا۔ وہ خوشی خوشی سوئچ بورڈ کی طرف بڑھنے لگا تھا جب امی نے اپنا ماتھا پیٹتے ہوئے مونس کو روکا۔

"ماں بولتی نہیں اور بیٹے کی زبان رکتی نہیں۔" کیا الٹ پھیر ہے۔

"ارے شفا! اسے دیکھو' بجلی کے بٹنوں کو ہاتھ لگا رہا ہے۔" امی کی بات دار آواز سن کر شفا سبزی کی ٹوکری شیلف پر رکھ کر بھاگتی ہوئی لاؤنج میں آئی تھی۔ مونس اتنی سردی میں پنکھا چلا کے خوشی سے چیخ رہا تھا۔

"امی! دادی نے کہا تھا ہوا دو۔" شفا کے ڈانٹنے پر وہ منہ بسورتا روہانسا ہو رہا تھا۔ شفا اس کی شرارتوں سے اکثر عاجز آجاتی تھی۔ اور اب تو وہ بہت سنجیدگی سے مونس کو اسکول میں داخل کروانے کا سوچ رہی تھی۔ اس نے کچھ دن پہلے بھی انس سے بات بھی کی تھی تب انس نے قدرے بے زاری سے کہا تھا۔

"نازی کا وقت نکل لینے دو۔" اس کا لہجہ خاصا دھیما اور روکھا سا تھا۔ ان کے ہاں پہلے بچے کی ولادت متوقع تھی۔ اس مد میں امی نے پہلے ہی انس کو لمبے چوڑے خرچے کی فہرست پکڑا دی تھی' سو وہ تین ماہ تک مزید کسی اضافی خرچ کے بارے میں تو سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔

"ہانڈی چڑھا دی ہے؟ انس کے آنے کا وقت ہو رہا

ہے۔" امی گھڑی کی طرف دیکھ کر جھنجھلائے انداز میں بولی تھیں شاید انہیں خود بھی بھوک لگ رہی تھی۔ صبح صرف دلیہ لینے کی وجہ سے وہ دوپہر کا کھانا بارہ بجے تک کھا لیتی تھیں۔ اب تو پھر سوا ایک بج رہا تھا۔ طوفان اور بارش کی گندگی سمیٹتے آج وہ معمول سے کچھ زیادہ ہی لیٹ ہو گئی تھی۔ اوپر سے رالی کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی ورنہ وہ گھر کے کاموں میں اس کا برابر ہاتھ بٹاتی تھی۔

نجانے کیوں شفا کو پچھلے ایک ڈیڑھ ماہ سے رالی قدرے بجھی بجھی محسوس ہو رہی تھی۔ نجانے کیا مسئلہ تھا؟ رالی اور شفا کی آپس میں دوستی تو بہت تھی تاہم جب سے اس کے بھائی خیام کا رشتہ طے ہوا تھا تب سے امی اور رالی تھوڑا کھنچی کھنچی سے رہنے لگی تھیں۔

"اے۔ پھر سوچوں میں گم ہو گئیں؟ میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔" امی کی بے زار سی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو وہ چونک کر ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"جی امی! میں نے ہانڈی چڑھا دی ہے۔" شفا کچن کی طرف جاتے ہوئے بولی۔

"اب آپ آرام کریں بھابھی! صبح سے لگی ہیں۔ میں روٹی پکا لیتی ہوں اور ساتھ چاول بھی ابال لیتی ہوں۔" رالی کچن میں آ گئی تھی۔ وہ ایسی ہی مخلص اور حلیم طبع تھی۔ رالی کے ساتھ اس کے تعلقات کبھی بھی روایتی نہیں رہے تھے۔

"پھر میں نہا لیتی ہوں۔ گرد و دھول سے اٹی پڑی ہوں۔" شفا کچھ سوچ کر کپڑے اٹھا کر واش روم میں گھس گئی۔ جب واپس آئی تو انس اور شہزادی کی آواز آ رہی تھی۔ انس شہزادی کو چھٹی کے وقت گھر چھوڑنے آتا تھا۔ پھر خود بھی لنچ کرنے کے بعد تھوڑا سا آرام کر کے دوبارہ آفس جاتا۔

اس نے جلدی جلدی بال بنا کر دوپٹہ اوڑھا اور باہر آ گئی تھی۔ لاؤنج سے امی کی اونچی اونچی آواز آ رہی تھی۔ شفا کے آگے بڑھتے قدم رک گئے۔

"نجانے کب سے آرام کر رہی ہے۔ اتنا احساس نہیں شوہر اور بچے تھکے ہارے آئے ہیں۔ انہیں کھانا پانی ہی پوچھ لے۔" وہ ہمیشہ کی طرح جلے کٹے لہجے میں بول رہی تھیں۔ انس کچھ خاموش سا تھا۔ امی کی بات کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ تاہم اس کے تاثرات ذرا کھلے کھلے محسوس ہو رہے تھے۔ شفا کے دل کو کچھ ڈوبنے لگا تھا۔ وہ آگے بڑھی تو رالی کی آواز آئی۔

"صبح سے کام میں لگی ہیں۔ ابھی دس منٹ پہلے نہانے کے لیے گئی ہیں۔ آپ بھی کبھی کبھی حد کرتی ہیں امی!"

رالی کھانا ٹیبل پر لگا رہی تھی۔ اس کی آواز میں خفگی نمایاں تھی۔ انس سر جھٹک کر اٹھ گیا تھا۔ شفا کے دل پر بوجھ سا آ گرا۔ ساری بھاگ دوڑ اکارت جاتی محسوس ہو رہی تھی۔

کھانے کی میز پر انس، مونس اور شہزادی کے علاوہ بس رالی تھی۔ شفا امی کو کھانا دینے ان کے کمرے میں گئی تھی۔ وہ رالی سے خفا ہو گئی تھیں۔ شفا کی حمایت میں رالی کا بولنا انہیں پسند نہیں آیا تھا۔

بچوں کو کھانا دے کر وہ رالی کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ وہ ایسے ہی بے دلی سے چاولوں میں چمچہ چلا رہی تھی۔

"تم کھانا نہیں کھا رہیں؟" شفا کے کہنے پر انس نے بھی کچھ چونکتے ہوئے رالی کی طرف دیکھا۔

"بس ایسے ہی دل نہیں چاہ رہا ہے۔" وہ زکام زدہ بھاری آواز میں بولی تھی۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو بتایا کیوں نہیں۔ میرے ساتھ آؤ ڈاکٹر کو دکھا آتے ہیں۔" وہ اپنی ماں، بہنوں، بچوں سب کے لیے بہت ہی حلیم تھا بس شفا کی بات ان سے الگ تھی۔ اس کے دل میں نہ چاہتے ہوئے بھی پھانس سی چبھی۔ سب کا خیال رکھنے والا اکثر ہی شفا کے بارے میں لاپروا ہو جاتا تھا۔

رالی اور انس کو ڈاکٹر کے پاس جاتے دیکھ کر شفا نے بے دلی کے ساتھ برتن سمیٹے پھر امی کو چائے دے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس کا ارادہ بچوں کو سلانے کا تھا۔ شہزادی بھی اسکول سے آ کر گھنٹہ دو گھنٹہ آرام ضرور کر لیتی تھی۔

وہ بچوں کو دائیں بائیں لٹا کر سلانے کی کوشش کر رہی تھی جب شہزادی کو نیند میں جانے سے پہلے کچھ خیال آیا تھا۔

"امی! میں نے ابو سے کہہ دیا ہے مجھے ڈیسک اور ایزی چیئر لے کر دیں۔ میری سب فرینڈز نے اسٹڈی ٹیبل لے لیے ہیں۔" شہزادی اس کے چہرے پر اپنا چھوٹا سا ہاتھ رکھے ساتھ بے تابی سے بولی تھی۔

"تو پھر ابو نے کیا کہا ہے؟" وہ لاشعوری طور پر شہزادی کی فرمائش پر چونک گئی تھی۔

"ابو نے کہا رالی پھپھو کی شادی کے بعد لے کر دیں گے۔" شہزادی نے ذرا مدھم آواز میں بتایا تھا پھر قدرے تجسس بھرے لہجے میں بولی۔

"امی! رالی پھپھو کی شادی کب ہوگی؟" اس کی آنکھوں میں عجیب سی آس تھی۔ شفا کو اس کی آس توڑنا اچھا نہیں لگا تھا۔

"آپ دعا کرو نا۔ جلدی رالی پھپھو کی شادی ہو۔ پھر آپ خوب مزا کرنا ڈھولک بجانا۔" وہ اس کا دھیان بٹانا چاہتی تھی۔ باہر پہلے سے کھٹکے کی آواز آئی تھی۔ شاید انس اور رالی واپس آ گئے تھے۔ کچھ دیر بعد انس کمرے میں داخل ہوا۔ شفا نے ذرا گردن اٹھا کر دیکھا۔ اس کے چہرے پر برہمی سی چھائی تھی تاہم اس نے کہا کچھ نہیں تھا۔ کپڑے تبدیل کرنے کے بعد وہ مونس کے برابر جگہ بنا کر لیٹ گیا تھا۔ باپ کی موجودگی محسوس کر کے شہزادی نے بھی جھٹ سے آنکھیں موند لی تھیں۔ پھر اس کے بازو پر سر رکھتے ہی تھوڑی دیر میں وہ گہری نیند میں گم ہو گئی تھی۔

شہزادی کے گہری نیند میں جانے کی تسلی کر کے وہ محتاط انداز میں بیڈ سے اتر رہی تھی، جب اس کی سماعتوں سے انس کی مدھم آواز ٹکرائی۔

"تم رالی کی شادی کا ذکر کر رہی تھیں۔ شہزادی سے دعائیں کروا رہی تھیں۔ کیا رالی مجھ پر بھاری ہے؟" انس کا لہجہ گہرا کاٹ دار تھا۔ وہ ایک دم سن سی ہو گئی۔

"رانی نے کب تمہیں تکلیف پہنچائی ہے جو تم اس سے اتنی بے زار ہو۔" انس ذرا سا اٹھ کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا۔ اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔ اتنی کہ شفا بمشکل ہی سن پا رہی تھی۔

"تمہاری یہ بے زاری مجھ تک ہی محدود نہیں بلکہ گھر والے اور میرے بچے بھی اس کی لپیٹ میں آرہے ہیں۔ کیا اس سے ۔۔۔ یہ بہتر نہیں کہ تم کوئی حتمی فیصلہ کرلو۔" اسے انس کا لہجہ عجیب آزردگی کی لپیٹ میں آیا بکھرا بکھرا سا محسوس ہو رہا تھا تب شفا قدرے بڑبڑاتے ہوئے بولی تھی۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" اس کا لہجہ بجھا بجھا سا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کیسے انس کی غلط فہمی دور کرے۔

"میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔ اب تم کوئی وضاحت مت دو۔" وہ عجیب بدگمانی بھرے لہجے میں بولا تھا۔ شفا کے اندر باہر بے چینیاں اتر آئی تھیں۔

آج شاید پہلی مرتبہ اتنے سالوں میں شفا نے قدرے سلیقے کے ساتھ انس کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کی تھی ورنہ وہ تو ایسے مواقعوں پر چپ ہی ہو جاتی تھی۔ پھر جاتے ابی اور انس بول بول کر خود ہی ہانپ جاتے' اس نے پلٹ کر جواب نہیں دیتا تھا۔ اس کے پاپا نے جو اسے وداع کرتے ہوئے ایک نصیحت کی تھی آج سے شفا نے آج تک پلو سے باندھ رکھا تھا۔

"بیٹی! ایک چپ میں ہزار سکھ ہیں۔ خاوند کچھ بھی کہے پلٹ کر جواب مت دینا۔" پاپا کے ہر قول کو اس نے گرہ میں باندھ رکھا تھا۔ اس بات کو سمجھے بغیر کہ کبھی کبھی خاموشی بھی بڑے بڑے خسارے اٹھالاتی ہے۔

عموماً" انس کے غصہ کرنے پر اسے بولنے پر اکسانے اور بات کو طول دینے پر بھی جب وہ خاموش رہتی تب وہ بے انتہا چڑا کرتا تھا۔ پھر اسے بھڑکنے دیر نہیں لگتی تھی۔

وہ چاہتا تھا' شفا بولے' کبھی کھٹی میٹھی لڑائی کرلیا کرے۔ کم از کم اپنے اندر کی بھڑاس ہی نکال لے مگر شفا نے بھی نہ بولنے کی گویا قسم کھا رکھی تھی۔ مگر آج اس نے دھیمی آواز میں وضاحت دے دی۔ تب ہی انس قدرے مدہم پڑ گیا تھا۔ اس نے خود ہی موضوع بدلتے ہوئے اچانک خیال آنے پر پوچھا تھا۔

"غالباً تم نے کوئی ضروری بات کرنی تھی۔" شکر ہے اسے شفا کی کوئی ایک بات تو یاد تھی ورنہ وہ تو سوچ رہی تھی انس جتنا اس کی طرف سے لاپروا تھا کسی دن اسے بھی بھول ہی نہ جائے۔

"جی۔" اس نے قدرے پھنسی پھنسی سی آواز میں کہا۔ پھر گلا کھنکھار کر بولی۔

"وہ دراصل ممی آرہی ہیں۔"

"یہاں آرہی ہیں؟" اس کی توقع کے عین مطابق وہ چونک گیا تھا اور صرف چونکا ہی نہیں تھا بلکہ حد درجہ حیران بھی ہو رہا تھا۔

"جی۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"خیریت سے آئیں گی نا۔" انس کا حیران ہونا فطری تھا۔ وہ تو بیٹی کے ولیمے پر بھی دور کا سفر اور ہائی بلڈ پریشر کی تکلیف کا بہانہ کرکے نہیں آئی تھیں۔ پھر وہ کیوں نہ ان کی آمد پر چونکتا۔

"جی خیریت ہے۔" وہ بجھی سی آواز میں بولی۔

"تمہاری شکل دیکھ کر لگتا تو نہیں خیریت ہے۔" انس کھوجنے والی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ شفا نے اندرونی بے چینی چھپاتے ہوئے نگاہ چرائی۔

"وہ دراصل ذیشان نے امریکا میں شادی کرلی۔" شفا نے انکشاف کرہی دیا تھا۔ انس دم بخود رہ گیا۔

"ذیشان کی اتنی جرأت۔ ایسی خونخوار بہنوں اور جلاد ٹائپ والدہ کی اجازت کے بغیر۔ شادی کرلی؟ بڑی حیرت کی بات ہے۔" انس جتنا بھی حیران ہوتا کم تھا۔ وہ ذیشان کو اچھی طرح سے جانتا تھا۔ وہ تو ماں کی اجازت کے بغیر کبھی گھر سے باہر نہیں نکلا تھا کجا کہ اپنی مرضی سے شادی کرلیتا۔

"پتا نہیں اسے کیا ہوا۔ ممی بہت اپ سیٹ تھیں' پھر خیام کی منگنی بھی ٹوٹ گئی' بلکہ ممی نے خود توڑ دی تھی۔ دراصل خیام وہاں شادی کے لیے مان نہیں رہا تھا۔" شفا نے سابقہ بجھے بجھے لہجے میں تفصیل سے

بنایا۔ انس نے قدرے شکوہ کرتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم لوگوں نے ہمیشہ اجنبی سمجھا ہے مجھے۔ اتنا کچھ ہوگیا اور بتایا بھی نہیں۔" انس کی آواز مدھم سی تھی۔ اسے شفا کے غبی پن برتنے پر بہت افسوس ہو رہا تھا۔ وہ ایسے ہی اپنی ہر بات اس سے چھپاتی تھی۔ حتیٰ کہ اپنی تکلیف کا بھی ذکر نہیں کرتی تھی۔ چاہے جتنی بھی بیمار ہوتی 'چپ چاپ منہ سر لپیٹ کر سو جاتی۔ وہ اس کے اجنبیت بھرے رویوں پر اندر سے کتنا مضطرب رہتا تھا اور یہ احساس کہ وہ اس پر مسلط ہے۔ وہ بھلا اپنے خساروں کا ذکر کس سے کرتا۔

"میں نے اتنی دفعہ سوچا کہ آپ سے ذکر کروں پھر ایسے ہی۔" وہ بولتے بولتے ایک دفعہ پھر رک گئی۔ انس کافی دیر تک اس کے مزید بولنے کا انتظار کر رہا تھا مگر وہ ایک دفعہ پھر کسی سوچ میں گم ہوگئی تھی۔ نجانے وہ اتنی کم گو شروع سے تھی یا اس کی زندگی میں شامل ہو کر ایسی سنجیدہ ہو گئی تھی۔ انس کے لیے کبھی کبھی اس کی خاموشی کو برداشت کرنا عذاب ہو جاتا تھا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ کسی کر شفا کے منہ پر تھپڑ مارے یہاں تک کہ شفا چیخ چیخ کر سارا گھر سر پہ اٹھالے۔ پھر وہ اسے گھر چھوڑنے کی دھمکی دے اور بعد میں انس اسے بہت پیار سے منالے۔ مگر ہائے ری قسمت۔ بھلا سب کچھ سوچ کے مطابق ہو سکتا ہے؟ اب اگر وہ اپنی کسی خواہش کے تحت شفا کو مارتا اور وہ سچ مچ ناراض ہو کر چلی جاتی تب وہ کیا کرتا؟ یہی سوچ اس کا دل بند کر دینے کے لیے کافی ہوتی۔

"خیام نے وہاں سے رشتہ کیوں ختم کیا ہے؟" بہت دیر تک اس کے مزید کچھ بولنے کا انتظار کرنے کے بعد انس نے بے دلی سے پوچھا۔ اس کا شفا سے باتیں کرنے کو دل چاہ رہا تھا مگر شفا تھی کہ اپنے مراقبے سے باہر آنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

"وہ در اصل۔" شفا ایک مرتبہ پھر بولتے بولتے رک سی گئی تھی مگر اب کے انس بھی خاصا چڑ گیا۔

"اب بول بھی چکو۔" وہ قدرے بے زاری سے بولتا ہوا گھڑی کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ اس کے آرام کا ٹائم پورا ہو گیا تھا۔ اب اسے دفتر کے لیے نکلنا تھا۔

"آپ۔۔۔ آپ برا تو نہیں مانیں گے۔" شفا ہکلاتے ہوئے خود بھی اس کے برابر کھڑی ہو گئی تھی۔

"نہیں۔" وہ اپنا موبائل اور گاڑی کی چابی اٹھا کر جینز کی جیب میں رکھ رہا تھا۔

"وہ ممی آرہی ہیں انس!" شفا کے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ بات کس طرح شروع کرے۔ انس بری طرح چونکا تھا۔

"ممی آرہی ہیں تو کیا ایکس نوٹوں کی سلامی دوں۔ ان کو آتو لینے دو۔ تمہاری ممی کی شان شایان خاطر مدارت ہو گی۔" وہ سمجھا شاید شفا اسی لیے گھبرا رہی ہے کہ یہاں اس کی ممی کو سہولت کے مطابق کچھ بھی میسر نہیں ہوگا۔ اب رہائش تو وہ اپنی بدل نہیں سکتا تھا تاہم ممی کی تواضع کے لیے راشن کا ڈھیر لگا سکتا تھا۔ بہرحال وہ شفا کی ماں تھیں اور پہلی مرتبہ اس کے گھر آرہی تھیں۔ ایک داماد ہونے کے ناتے وہ ان کی تواضع کا ظرف رکھتا تھا۔ مگر بات شاید یہ نہیں تھی اور جو بات بھی اسے سن کر تو انس کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔

"انس! ممی 'رانی کے لیے آرہی ہیں۔" شفا نے گھبراتے ہوئے راز اگل ہی دیا تھا۔ اس کے خیال میں تھا شاید انس کو بہت برا لگے۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ اس کی توقع کے برعکس وہ کچھ پل کے لیے گم صم ہوگیا تھا۔

"تمہاری ممی 'رانی کے لیے آرہی ہیں۔ میں کچھ سمجھا نہیں۔ اب رانی ایسی بھی بیمار نہیں 'جو اس کی احوال پرسی کی جائے۔ موسمی زکام بخار ہی تو ہے۔" وہ حیران حیران سا ہوئے جا رہا تھا تب شفا نے اس کی تمام حیرتوں کا جواب دیا۔

"ممی رانی کا رشتہ لینے یہاں آرہی ہیں۔ در اصل خیام کی خواہش پر۔" "وہ رانی کو پسند کرتا ہے۔" اس نے ڈرتے ڈرتے باقی ماندہ سچ بھی اگل دیا تھا مگر حیرت انگیز طور پر انس کو قطعاً" غصہ نہیں آیا تھا۔ اسے برا

نہیں لگا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلے تاثرات پل پل بدل رہے تھے۔ وہاں ہلکی سی خوشی کی جھلک بھی نظر آرہی تھی۔ وہ حیران تھا اور وہ خوش بھی تھا۔ کم از کم شفا کے اطمینان کے لیے یہ کافی تھا۔

☼ ☼ ☼

اگلے روز گھر کا ماحول یکسر تبدیل تھا۔ شفا نے امی کے بدلتے مزاج کے ساتھ رانی کے چہرے پر چھلکتی خوشی کو بھی کھوج لیا تھا یعنی خیام کی پسندیدگی یک طرفہ نہیں تھی۔ نجانے خیام نے ادھر سے رشتہ توڑ کر ممی کو کیسے منایا تھا یا پھر ذیشان کی طرف سے ملنے والے دھچکے نے ممی کے سارے طنطنے کا خاتمہ کر دیا تھا۔

شفا تو خود ممی کے فون کرنے پر ابھی تک حیران تھی۔ ممی نے اس کی ساس سے فون پہ بات تو کر لی تھی تاہم اب باقاعدہ رسمی بات چیت کے لیے خود آرہی تھیں۔

یہاں ممی کے استقبال کے لیے تیاریاں ہو رہی تھیں۔ شفا نے انس کے رویے میں بھی واضح تبدیلی دیکھی تھی۔ امی تو خیر اتنی خوش تھیں کہ بار بار شفا کو اپنے ساتھ لپٹا لیتی تھیں۔

"تم نے تو میری پریشانی دور کر دی ہے بیٹی!" وہ بہت ممنون نظر آتی تھیں۔ حالانکہ شفا نے ان کی کوئی پریشانی دور نہیں کی تھی۔ یہ تو قطعاً "خیام کی پسند سے ہو رہا تھا۔

مگر شفا نے ممی کے رویے میں بھی خاصا بدلاؤ دیکھا تھا۔ وہ پہلے جیسا غرور اور طنطنہ ان میں نہیں تھا۔ نہ ہی انہوں نے اس پسماندہ سی کالونی میں آکر اپنی توہین محسوس کی تھی۔ بلکہ وہ آس پاس کے مکانوں کو دیکھ کر خاصی حیران ہو رہی تھیں۔

"یہاں تو بہت خوبصورت رہائشی عمارتیں بن گئی ہیں۔ مگر مین روڈ پر کسی نے توجہ نہیں دی۔" وہ بہت سادہ سے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

"گھر تو کافی اچھا ہے۔ بس تھوڑی توجہ کی ضرورت ہے۔" ممی کا مختصر تبصرہ شفا کو اندر تک نہال کر گیا تھا۔ "ویسے میری بیٹی نے بہت سنوار کے رکھا ہے۔" اب وہ بہت باریک بینی سے ایک ایک چیز کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ان کے تعریفی جملوں نے شفا کا سیروں خون بڑھا دیا تھا۔

"ہاں جی۔ گھربار سب شفا کے حوالے ہے۔ سب کچھ یہی دیکھتی ہے۔" امی نے بھی تعریف کرنے میں کنجوسی نہیں کی تھی۔ شاید اپنی بیٹی کا معاملہ تھا۔ ان کے مزاج میں بھی بہت واضح تبدیلی نظر آرہی تھی مگر اصل حیرت شفا کو اپنے پاپا کے رویے پر تھی۔ شفا بہت عرصے سے میکے نہیں گئی تھی اور اسی بات کا شکوہ ممی انس کے ساتھ کر رہی تھیں۔

"وہ بھی میری بیٹی کو گھر سے اور گھر کی مصروفیات کے جھنجھٹ سے آزاد کر دیا کرو۔ عرصہ ہوا یہ آئی نہیں اور تم نے بھی کبھی چکر نہیں لگایا۔" ممی بہت پیار بھری نظروں سے انس کو دیکھ رہی تھیں۔ انہیں لگ رہا تھا گویا وہ پہلی مرتبہ انس کو دیکھ رہی ہیں۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت اور شائستہ اطوار لگ رہا تھا انہیں۔ اور شفا جو چپکے چپکے انس کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظر کے رخ اور ہونٹوں کی دھیمی دھیمی مسکراہٹ نے ممی کے دل کو پرسکون کر دیا تھا۔ وہ اپنے گھر میں بہت خوش اور سکھی تھی۔ بے حد خوبصورت شوہر، تمیزدار مہذب بچے، سادہ سا گھرانہ۔ ان کے بڑے دامادوں کے پاس اتنی فرصت نہیں تھی کہ وہ اپنے بچوں کے لیے ہی تھوڑا وقت نکال لیتے مگر وہ انس کو دیکھ کر حیران تھیں۔ وہ دفتر سے اٹھ کر شہزادی کو گھر چھوڑنے آیا تھا۔ پھر بچوں کے ساتھ کھانا کھا کر واپس چلا گیا تھا۔ دفتر سے آنے کے بعد اس نے شہزادی کو ہوم ورک بھی کروایا تھا پھر بچوں کو باہر گھمانے بھی لے گیا تھا۔ انہیں یہ سب دیکھنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اور انہوں نے اس بات کا برملا اظہار بھی کر دیا تھا۔

"میری بیٹی یہاں بہت خوش ہے۔ میرے دل کی تسلی کے لیے یہی کافی ہے۔" انس کے اٹھتے ہی امی کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کے ممی نے نہایت شائستگی سے کہا تھا۔ اب امی قدرے شرمندہ ہو گئی تھیں۔

"بس! ہمارا اس میں کوئی کمال نہیں ہے۔ یہ تو آپ کی بیٹی کا ظرف اور اچھائی ہے۔ آج تک پلٹ کر جواب نہیں دیا۔ زبان درازی نہیں کی، سچ پوچھیں تو کبھی ان کے کمرے سے میاں بیوی کے جھگڑے کی آواز تک نہیں آئی۔" امی کے سادگی بھرے لہجے میں بات کرنے پر ممی مسکرانے لگی تھیں۔ شفا کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آگئی تھی۔ اسے لگ رہا تھا گویا وہ ماں کے سامنے سرخرو ہوگئی ہے۔ سسرال کی باتیں، رنجشیں اور شوہر کی بے اعتنائی کے قصے میکے جا کر نہ سنانے کا یہ انعام کم تو نہیں تھا۔ وہ اپنی بہنوں کی طرح ذرا ذرا سے دکھڑے سنانے کے لیے ممی کو فون بھی نہیں کھڑکاتی تھی۔ نہ کبھی انس کے رویے کا شکوہ کیا اور نہ کبھی ساس کی تلخ کلامی کو میکے تک پہنچایا۔ یہ اس کا ایثار اور صبر تھا جو اس کی ماں آج اس کی نند کا رشتہ مانگنے آئی تھیں۔ اس نے جب بھی ممی سے فون پر بات کی تھی ہمیشہ انس اور اپنی ساس کی تعریف کی۔ وہ اپنے بہنوئیوں سے کسی بھی طور پر انس کو کم یا ہلکا نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔

رات کو ممی اس سے کہہ رہی تھیں بلکہ خیام کی بے تابیوں کا بتا رہی تھیں۔

"بہت اتاؤلا ہو رہا تھا۔ ساتھ آنے کی ضد کر رہا تھا۔ میں نے منع کر دیا۔ اس کا ساتھ آنا مناسب جو نہیں تھا۔" ممی بہت خوشی سے بتا رہی تھیں تب اس نے خیام کی منگنی ٹوٹنے کی اصل وجہ پوچھی تھی۔

"بہت کمینے لوگ تھے بلا کے تیز طرار۔ شادی سے پہلے الگ گھر کی ڈیمانڈ کر رہے تھے۔ میرا دل کھٹا ہو رہا تھا۔ ویسے بھی خیام خوش نہیں تھا۔ نجانے کب سے تمہاری نند کے بارے میں سوچ رکھا تھا مگر جب میں نے رشتہ طے کر دیا، خاموش ہو گیا۔ یہ تو جب میں نے ان لوگوں کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر بات ختم کی تو اس نے بھی رالی کا نام منہ سے پھوٹا۔ بہت نرم مزاج ___ میٹھی طبیعت ہے رالی کی۔ تمہاری بہنیں بھی رضامند ہیں۔" ممی خوشدلی سے بتا رہی تھیں۔ شفا کا دل ہلکا ہو گیا۔

"تم اور انس چکر لگاؤ نا عرصہ ہو گیا تم کو آئے ہوئے۔ کیا انس نے اتنا میری بیٹی کو باندھ رکھا ہے۔" وہ بہت پیار سے شفا کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

"بس ممی! بچوں اور گھر کی مصروفیت کی وجہ سے نکلنا نہیں ہوتا۔ اور پھر انس بھی کہیں آنے جانے نہیں دیتے۔ رات رکنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر اگر لاہور جاؤں تو چند دن تو لگ ہی جائیں گے۔ انس کے بغیر کہیں جانے کو دل نہیں کرتا اور ان کو چھٹی بھی بس عید کے عید ہی ملتی ہے۔" اس نے شرمیلی سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنے میکے نہ جانے کی اصل وجہ بتادی تھی، جسے سن کر ممی اطمینان بھری مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔

"میری بیٹی اپنے گھر میں خوش رہے، اس سے بہتر خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ مگر بیٹا! کبھی تو میکے کا چکر لگا لیا کرو۔ جب سے تمہارے پاپا گئے ہیں تم جیسے بھول ہی گئی ہو۔" ممی نے اس کی ___ روشن پیشانی چوم کر کہا تھا۔

"ممی! آپ کو بتایا ہے نا۔ انس کے بغیر میرا کہیں بھی جانے کو دل نہیں کرتا۔ یوں لگتا ہے انس کے بغیر کہیں جاؤں گی تو کھو جاؤں گی۔ مجھے انس کے علاوہ اور انس کے بغیر پوری دنیا بے رنگ لگتی ہے۔" شفا نے جانے کیسے جذبات سے مغلوب ہو کر اپنے دل کا حال ماں کے سامنے کہہ سنایا تھا۔ ورنہ یہ اس کے ایسے جذبے تھے جن کو اس نے کبھی اپنے آپ کے سامنے بھی عیاں نہیں کیا تھا۔

دروازے پر جانے کب سے کھڑا انس اس کے آخری الفاظ پر ٹھٹک گیا تھا۔ وہ جانتا تھا شفا میں انا کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ وہ ٹوٹ سکتی تھی مگر اپنا بھرم نہیں توڑ سکتی تھی۔ اسے شفا کی منافقت نے دل سے دماغ تک کڑوا کر دیا تھا۔ اسے شفا کے الفاظ نے عجیب سی تکلیف میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ اپنا بھرم قائم رکھتے ہوئے کیسے ماں کو مطمئن کر رہی تھی کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ شفا اپنے میکے کیوں نہیں جاتی؟ وہ آج بھی اپنے گھر والوں سے ناراض تھی۔ یا شاید اپنے مرے ہوئے

باپ سے ناراض تھی بہنیں ہونے اسے اس جہنم میں پھینک دیا تھا۔ اور اسی پھانس، چبھن اور گھٹن کی بدولت وہ میکے جانا گوارا نہیں کرتی تھی۔ اپنی بہنوں کی خوشگوار زندگی اسے ڈسٹرب کرتی تھی۔ اور وہ ان کے سامنے خود کو جھکانا نہیں چاہتی تھی۔ اپنی زہریلی سوچوں میں کھویا انس زیر لب بڑبڑا کر پلٹ گیا تھا۔

"ہونہہ۔ جھوٹی عورت، ایسے ڈھکوسلے اور فریب بھرے الفاظ مجھے متاثر نہیں کر سکتے۔" رات بھر شفا کے کہے گئے الفاظ کو سوچتا وہ عجیب سی ان دیکھی آگ میں جھلس رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

ممی جاتے جاتے شادی کی تاریخ طے کر گئی تھیں۔ شادی کی تاریخ طے ہوتے ہی شفا گھن چکر بن گئی تھی۔ انس اخراجات کی وجہ سے بوکھلا رہا تھا مگر امی نے جب خفیہ تجوریوں کے منہ کھولے تو تقریباً "سب کچھ" آسانی کے ساتھ ہوتا چلا گیا تھا۔

خیام کے سختی سے انکار کے باوجود سال سے فرنیچر، الیکٹرونکس کا سامان اور بہترین کراکری بھجوائی گئی تھی۔ انس بہن کی کسی طور پر بھی سبکی نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔

رابی کی شادی ایسی دھوم دھام سے کی گئی کہ خاندان والوں نے دانتوں میں انگلیاں دبالی تھیں۔

رابی شادی کے بعد خیام کے ہمراہ دو تین مرتبہ چکر لگا گئی تھی اور امی بیٹی کو شاد اور خوش دیکھ دیکھ کر شفا کو دعائیں دیتی نہیں تھکتی تھیں۔

ادھر خیام جتنا خوش، جتنا مسرور اور شاد تھا مگر نہ ہی شکوے شکایات کے دفتر بھی پکڑ رکھے تھے۔ سب سے بڑا شکوہ تو یہ تھا کہ رابی کم کیوں بولتی ہے۔ کم بولنا اس کی فطرت اور عادت تھی۔ اس کو تو بدلا نہیں جا سکتا تھا۔ ویسے وہ اتنا خوش تھی کہ اس کے گلابی دودھ جیسے گالوں میں ہر وقت گلاب کھلے نظر آتے تھے۔ اسی طرح خیام بھی بہت خوش تھا مگر اسے جو رابی کے کم بولنے پر شکوہ تھا، یہ کبھی بھی ختم نہیں ہو سکا تھا۔

اکثر خیام کی صبح صبح فون کال آجاتی تھی۔

"تمہاری نند لگتا ہے زبان میکے بھول آئی ہے۔ دس سوال کرو تو جواب ایک ہی ملتا ہے۔" وہ خوشی سے کھنکھناتے لہجے میں رابی کو چھیڑتے ہوئے شفا کے کان کھا رہا تھا تب شفا گھبراتے ہوئے رابی کے کم بولنے پر وضاحت کرتی تھی۔

"تم اسے تنگ مت کرنا خیام! رابی کی عادت ہے وہ گھر میں بھی کم ہی بولتی تھی۔"

شفا کی وضاحتوں پر خیام کی خوش مزاجی اور بھی عروج پر پہنچ جاتی تھی۔ وہ رابی کی سنگت میں بہت خوش تھا اور صرف خیام ہی نہیں بلکہ اس کی ممی اور بہنیں بھی رابی کو منتخب کرنے پر بہت خوش اور مطمئن تھیں۔

انس کا رویہ ہنوز لاتعلق سا تھا۔

☼ ☼ ☼

ایسے ہی دھوپ چھاؤں جیسے دن گزر رہے تھے جب ان کی زندگیوں میں ہلکی سی ہلچل مچانے سامنے والی کوٹھی میں انس کا بچپن کا دوست محسن اپنی فیملی کے ہمراہ امریکا سے پاکستان چھٹیاں گزارنے آیا تھا۔ ہر طرف ہلچل سی مچ گئی تھی۔ نوکروں کا سارا دن آنا جانا لگا رہتا تھا۔

انس عرصہ دراز بعد اپنے دوست سے مل کر بہت خوش ہوا اور اسی خوشی میں محسن کی فیملی کو کھانے پر مدعو کر لیا۔ وہ صبح آفس جانے سے پہلے اتنی لمبی چوڑی ہدایات دے کر گیا۔ تب امی نے کافی ناگواری سے انس کو ٹوکا تھا۔

"ارے کیا اس میں بجلی بھری ہے جو یہ اٹھارہ باندیاں رات تک تیار کر لے گی۔ تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔ اس اکیلی جان سے اتنا سیاپا ہوگا۔" وہ بیٹے کی مینو لسٹ دیکھ کر پھنکار رہی تھیں۔

"تو پھر کون کرے گا؟" اس کے ماتھے پر خواہ مخواہ بل پڑ گئے۔

"تمہارے بابا کے خانساماں آکر کریں گے۔" امی

نے گویا سر پیٹ لیا۔ ”غضب خدا کا! خود سوچو! چھوٹے چھوٹے بچوں کا ساتھ ہے۔ شفا اکیلی کیسے اتنا کام کر پائے گی۔“

”تو اس کا حل بھی آپ ہی بتا دیں۔ لوگوں کی بیویاں ایک وقت میں سینکڑوں ڈشز بنا لیتی ہیں۔“ انس کی ناگواری کا گراف بڑھتا جا رہا تھا۔

”تو تم لوگوں کی بیویوں سے ہی سینکڑوں ہانڈیاں پکوا لو۔ شفا سے اتنا کام نہیں ہو سکتا۔“ امی نے ہاتھ جھاڑ کر کہا۔

”اب لوگوں کے دروازے کھٹکھٹانے سے تو رہا۔“ انس چڑ کر رہ گیا۔

”تمہاری بیوی سے جتنا کام ہو گا۔ اتنا ہی کر سکے گی نا۔“ وہ بھی تو انس کی ماں تھیں کیسے خاموش رہتیں۔ کب سے یہ تکرار سنتی شفا کو مداخلت کرنا پڑی تھی۔

”امی! میں کر لوں گی۔ آپ فکر نہ کریں۔“ انس کا غصہ بڑھتا دیکھ کر شفا کو بولنا ہی پڑا تھا۔

”تمہاری خاطر تو کہہ رہی ہوں۔ کیسے کر لو گی؟ مونس کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ اتنا چڑچڑا ہو رہا ہے۔ بھلے کا تو زمانہ ہی نہیں۔ کر سکتی ہو تو کر لینا۔ مجھے کیا ضرورت ہے زبان گھسانے کی۔“ امی خفا ہو کر تخت پر بیٹھ گئی تھیں۔ پھر انہوں نے اون سلائیوں کو پکڑ کر قطعاً ”لاتعلقی“ کا اظہار کیا تھا۔

”اب کچھ پکانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بازار سے لے آؤں گا۔“ انس رکھائی سے بولتا باہر نکل گیا۔ انس کے چلے جانے کے بعد۔ عجیب سی بے کلی تھی جس نے شفا کو بے انتہا بے چین رکھا تھا۔ وہ پورے گھر میں چلے پھر کی بلی بنی چکراتی پھر رہی تھی۔ پھر اس بے کار کی گھبراہٹ سے تنگ آ کر اس نے انس کو فون کر دیا تھا جب دوسری طرف بیل جانے لگی تب، ایک اور مشکل میں گرفتار ہو گئی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بولے کیا۔

”اب بولو بھی چکو۔“ انس نے تنگ آ کر کہا تو شفا نے بڑی مشکل سے کہا تھا۔

”انس آپ کھانا مت لایئے گا۔ میں کچھ نہ کچھ کر لوں گی۔“

”تم نے جو کچھ کرنا ہے وہ میں آل ریڈی جانتا ہوں۔ اچھی تو خیر ہے مہمانوں کے سامنے جو ملغوبہ سجا سجا کر رکھو گی اس سے بہتر ہے میں باہر سے کھانا لے آؤں۔“ صبح کی خفگی کا اثر تھا جو وہ ابھی تک کڑوے لہجے میں بول رہا تھا۔

”میں کھانا اچھا نہیں بناتی؟“ شفا نے شاید اتنے سالوں میں پہلی مرتبہ شکوہ کیا تھا۔

”میں نے یہ کب کہا۔ آپ بہت اچھا کھانا بناتی ہیں مگر وہ بس میرے ہی کھانے کے لائق ہوتا ہے اوروں کے نہیں۔“ انس کا سا جملہ جلا کٹا لہجہ برقرار تھا۔ شفا کے دل کو ایک مرتبہ پھر دھکا سا لگا تھا۔

”آپ کو ابھی تک غصہ ہے؟“ اس نے گھبراہٹ میں ہکلاتے ہوئے کہا۔

”میری مجال ہے جو آپ پر غصہ کروں۔ اب برائے مہربانی مجھے کام کرنے دیں اور مزید مراقبہ فون بند کر کے فرمائیں۔“ اس نے کھٹاک کے ساتھ فون بند کر دیا تھا جبکہ شفا ہونٹ چباتی بمشکل آنسو پینے کی کوشش میں بلکان ہوتی کچن کی طرف آ گئی تھی پھر انس کے منع کرنے کے باوجود بھی اس نے کھانا پکانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اسے انس کو خوش کرنے کے لیے اس سے بہتر کوئی حل نظر نہیں آ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

ستاروں بھری گلابی سی شام تھی۔ موسم کی تبدیلی کے ساتھ ہی کونپلوں پر شگوفے کھلنے لگے تھے۔ ہواؤں میں خنکی نہیں تھی۔ اب ہلکی ہلکی تپش سی محسوس ہوتی تھی۔ سورج سارا دن کی گرماہٹ کے بعد شام کے بعد ٹھنڈا سا تاثر بخش جاتا تھا۔

آج شفا بہت عرصے بعد نک سک سے تیار ہوئی تھی۔ یوں کہ انس بھی ٹھٹکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اسے شفا کی تیاری اچھی لگی تھی۔ یہ اس کے چہرے اور آنکھوں کے تاثر سے پتا چل گیا تھا۔ صبح والی بدمزگی کا شائبہ اس کے چہرے پر نظر نہیں آ رہا تھا۔ انس کے

موڈ کو بحال دیکھ کر شفا کے چہرے پہ خود بخود مسکراہٹ نما روشنی پھیل گئی تھی۔

اگرچہ انس کی تمام تر خوش دلی کا اصل کریڈٹ محسن اور اس کی بیوی کو جاتا تھا، جن کی آمد نے انس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔

مگر ہوا کچھ اس طرح کہ محسن اور مسک کے آنے سے دس منٹ پہلے انس کو ایک ضروری کام کے سلسلے میں منظر سے ہٹنا پڑا تھا۔ اور انہی دس منٹ کے دورانیہ محسن اور مسک چلے آئے تھے۔

شفا کو اکیلے ہی مہمانوں کو ویلکم کرنا پڑا تھا۔ اگرچہ امی موجود تھیں تاہم انس کے بغیر اسے نجانے کیوں ہر چیز میں خالی پن محسوس ہوتا تھا۔

اس نے بڑے فخر کے ساتھ اپنی تعلیمی قابلیت کے بارے میں شفا کو بتایا تھا۔

"بھابھی! میں میٹرک میں تین بار اور انٹر میں لگ بھگ چار سال ضائع کرنے کے بعد امریکا بھاگا تھا۔ انس تو مجھ سے اور ہمارے بہت جونیئر تھا مگر جب یہ ہماری کلاس میں پہنچا تب نخلے داری کی وجہ سے اور کلاس فیلو ہونے کے ناطے ہماری بہت گہری دوستی ہو گئی تھی۔"

بات بے بات شگوفے چھوڑتا ہنستا کھلکھلاتا محسن امی کو ایک آنکھ نہیں بھایا تھا اور دل میں بات رکھنے والی تو وہ ہرگز نہیں تھیں سو کچھ دیر تک تو محسن کی پھلجھڑیاں، امریکا کے قصے، ڈالرز کی جگا جوند کے بارے میں خاموشی سے سنتی رہیں مگر پھر ضبط کی طنابیں چھوٹ گئیں۔

"محسن بیٹا! تم پہلے تو ایسے چھچھورے نہ تھے۔"

اور وہ امی کی بات پر برا مانے بغیر چھت پھاڑ قہقہے کے بعد بمشکل بولا۔

"آپ بھی کہاں بھولی ہیں خالہ! وہ ہی ہر بات منہ پر رے مارنے والا آپ کا پرانا اسٹائل ابھی تک برقرار ہے۔" ہیجان آمیز قہقہے پر قابو پا کر وہ اپنی خاموش بیٹھی بیوی کو کوئی پرانا قصہ سنانے لگا تھا۔ اور بولتے ہوئے

اس کی آنکھوں اور ٹھوڑی کے نیچے لٹکا سیاہ ماس مسلسل پنڈولم کی طرح جھول رہا تھا۔

"خالہ کا ڈنڈا بڑا مشہور تھا۔ مجال ہے جو انس دوستوں کی محفل میں بیٹھ جاتا یا کبھی آوارہ گردی کرنے نکل جاتا۔" محسن اپنے سابقہ خوشگوار لہجے میں ماضی کی گرد جھاڑ رہا تھا اب امی نے کافی جھک کر کہا تھا۔

"دوست سارے اس کے عمر میں بڑے انس ان میں معصوم سا بچہ۔ وقت سے پہلے اسے بڑا کر دیتے۔ کیا میں نہیں جانتی دوستوں کی محفلوں میں کیا ہوتا ہے۔" امی کا کرارا سا جواب سن کر محسن قدرے جھینپ گیا۔

"ویسے کہہ تو آپ ٹھیک رہی ہیں۔ انس کو آپ نے خوب بچا بچا کر رکھا ہے۔"

امی سر جھٹک کر خاموش بیٹھی مسک سے مخاطب ہوئیں۔ امی کے ساتھ ساتھ شفا کو بھی مسک کی خاموشی خاصی کھٹک رہی تھی۔ وہ عجیب بے چین سی بیٹھی تھی۔ ادھر ادھر بے قراری سے بھٹکتی ہوئی نجانے کس کی تلاش کر رہی تھی۔

"کیا بات ہے بیٹی! کوئی چیز کھو گئی ہے کیا؟" امی کے براہ راست سوال نے مسک کو بوکھلا دیا تھا۔ وہ محسن کے مقابلے میں بہت خوبصورت اور کم عمر تھی۔ پھر اسے پہننے اوڑھنے کا بھی خوب سلیقہ تھا۔ بلاشبہ وہ بہت حسین تھی۔

"شاید چیز تو کھو ہی گئی ہے۔" اس کا جواب سب کو تعجب میں مبتلا کرنے والا تھا۔ مگر امی اور شفا کے علاوہ محسن چونکے بغیر خواہ مخواہ ہنسنے لگ گیا تھا۔ گویا اسے بات بے بات ہنسنے کی بیماری تھی۔

"کیا کھویا ہے بیٹی! کوئی لونگ چھلا، بالی؟"

"بہت قیمتی چیز کھو گئی ہے آنٹی! آپ سمجھ نہیں سکیں گی۔" اس کے فلسفیانہ کلام نے امی کو خاصا الجھا دیا تھا۔ شفا کچھ دیر کے لیے اٹھ گئی تھی۔ جب کولڈ ڈرنکس لے کر واپس آئی تو امی بڑی کڑی نظروں سے

مہک کو کچھ زیادہ ہی تھیں۔

"آتی کیوں نہ سمجھ سکے گی۔ یہ بال دھوپ میں سفید تھوڑی کیے ہیں۔" امی کی عقابی نگاہ سے بچنا محال تھا۔ مہک بڑی چپ سی تھی مگر اس وقت انس کی آمد ہوئی۔ اور انس کے آتے ہی گویا محفل کا رنگ بدل گیا تھا۔ محسن کے چٹکلوں اور مہک کی کھلکھلاتی ہنسی کی آوازوں سے پورا گھر گونج رہا تھا۔

شفا تو حیران رہ گئی تھی۔ انس کی نہ صرف محسن کے ساتھ بلکہ مہک کے ساتھ بھی بے انتہا بے تکلفی تھی۔ وہ لوگ ایسے گفتگو کر رہے تھے گویا صدیوں سے میل ملاقات ہو۔ اب محسن سے زیادہ مہک بول رہی تھی۔ اور گن گن کر پاکستان کے مسائل کو نشانہ بنا رہی تھی۔

"پاکستان میں بندے کا کوئی فیوچر ہی نہیں۔" مہک نے اکتائے انداز میں کہا۔

"تو بی بی! تم نے کون سا پاکستان میں رہنا ہے۔ تمہیں کاہے کی فکر۔" امی سے پاکستان کی برائی برداشت نہیں ہوپائی تھی۔ شفا ان کی باتوں کے دوران کھانا لگانے کے لیے اٹھ آئی۔ اس کے پیچھے امی بھی بڑبڑاتے ہوئے ڈرائنگ روم سے باہر آگئیں۔

"پہلے تو نگوڑ ماری کھا کر بیٹھی رہی تھی اب ایسے زبان فرانے بھر رہی ہے کہ فرنگن نہ ہو تو۔ پاکستان میں فیوچر نہیں، بجلی نہیں، پانی نہیں۔ تو پھر لینے کیا آئی ہو۔" وہ خاصی جلی ہوئی تھیں۔

"شفا بی بی! میں اپنے کمرے میں ہوں۔ مونس کو میرے پاس لٹا دو، اور شہزادی کو بھی ادھر بھیج دو۔ میں کھانا کھلا کر دونوں کو سلا رہی ہوں۔ یہ ولیتی انگریز تو جانے کب جائیں گے۔ بچوں کی مت ماری جائے گی۔" امی بولتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھیں۔ اس کو بھی ان کے مشورے میں سہولت نظر آئی۔

کھانے لگانے اور مہمانوں کو کھلانے کے دوران مسلسل محسن چکر نی شفا کے لیے محسن کے تعریفی جملے بڑے انمول تھے۔ وہ کھانا کھانے کے دوران بہت کھلے دل سے اس کو سراہ رہا تھا

"بھابھی! یقین مانیے، پچھلے بارہ سال سے گھر کا بنا کھانا نہیں کھایا۔ جانے انگریز، برگر، سینڈوچ یا نوڈلز نہ ہوتے تو ہم جیسوں کا کیا بنتا۔" وہ چکن بریانی سے انصاف کرتے ہوئے کھلے دل سے کھانے کی تعریف کر رہا تھا۔ آج کھانا واقعی بہت لذیذ بنا تھا یوں کہ امی نے بھی خاصی تعریف کردی تھی پھر مہمانوں کو بھی کھانا پسند آیا تھا سو شفا کی محنت وصول ہوگئی تھی۔ سب کے تعریفی جملوں پر مسکراتی شفا نے انس کی طرف غیر ارادی طور پر دیکھا تو قدرے چونک گئی۔ اسے انس کے تاثرات خاصے سنجیدہ لگے تھے۔ وہ کھانا تو کھا رہا تھا مگر انتہائی بے دلی کے ساتھ۔ شفا کھٹک سی گئی۔ جانے اسے کون سی بات بری لگی تھی۔ کھانا کے بعد چائے بنانے کے دوران بھی وہ فکر مندی سے انس کے رویے اور انداز پر غور و فکر کر رہی تھی۔

چائے کی ٹرے اٹھائے لاؤنج میں آئی تو ایک دفعہ پھر انس کو سابقہ موڈ میں گفتگو کرتے دیکھ کر مطمئن ہوگئی۔

"میں تو کہتا ہوں لعنت بھیجو جاب پر، ہمارے ساتھ نکل چلو یورپ، لائف کا مزا دوبالا ہوجائے گا۔ پانچ دس سال جم کر کماؤ اور پھر آرام سے کھاؤ۔" محسن اس کا کندھا تھپک کر ایک نئی اور بالکل الگ راہ دکھا کر انس کی آتش شوق کو ہوا دے رہا تھا۔ شفا کا دل لمحہ بھر کے لیے بند سا ہونے لگا۔

انس سے دوری کا خیال بھی عذاب تھا۔ کجا کہ اسے اتنی دور بھیج دینا۔ محسن کے اکسانے پر مہک بھی گویا بات کو طول دینے لگی تھی۔

"انس! محسن ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یہاں تو کوئی فیوچر نہیں۔ تم چند ہی سالوں میں سیٹلڈ ہوجاؤ گے۔" مہک بے تکلفی سے انس کے کندھے پر ہاتھ رکھے بول رہی تھی۔ یہ بے تکلفی خاصی بے ضرر قسم کی تھی۔ تب ہی انس یا محسن نے کچھ محسوس نہیں کیا تھا۔ مگر شفا کو اس کا بے تکلفانہ انداز اور منہ پھاڑ کر انس کا نام لینا کچھ بھایا نہیں تھا۔

"نہیں یار! میں کہاں باہر جا سکتا ہوں۔ امی کی

طبیعت ٹھیک نہیں رہتی اور پھر بچے چھوٹے ہیں۔ شفا اکیلے سب کچھ مینج نہیں کر پائے گی۔" انس نے کچھ سوچ کر نفی میں سر ہلا دیا۔

"دو چار سال کی بات ہے۔ بعد میں تم بچوں اور بھابھی کو پاس بلا لینا۔" محسن کے مخلصانہ مشورے کے ایک کے بعد ایک پھسل رہے تھے۔ مگر انس تذبذب کا شکار تھا۔

"اور ان دو چار سالوں میں اماں ہی نہ رہیں تو... وہ مجھے لمحہ بھر کے لیے بھی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتیں اور پھر پردیس جا کر جانے کتنے سال لگ جائیں۔ واپس آنا ہو یا نہ ہو۔" انس حقیقت سے نظر نہیں چرا سکتا تھا۔ اس کے جواب نے محسن کو گویا قائل کر لیا تھا۔ مگر مہک قدرے بے چین ہو گئی۔

"اللہ تعالیٰ آنٹی کو سلامت رکھے۔ تم ان کی فکر کیوں کرتے ہو۔" مہک نے ایک مرتبہ پھر اپنا نازک سا قیمتی انگوٹھیوں سے سجا ہاتھ انس کے کندھے پر رکھا۔ وہ تینوں تھری سیٹر صوفے پر بیٹھے تھے۔ مہک کچھ دیر پہلے ہی اٹھ کر ان کے قریب بیٹھی تھی۔ شفا سے یہ چبھن دیتا منظر دیکھا نہیں گیا تھا۔

"یہاں شفا تو ہو گی نا۔ آنٹی کو سنبھال لے گی۔ پھر جب کھلا پیسہ آئے گا تو سارے مسائل ایک فون کال پر حل ہوتے جائیں گے۔" مہک کا ارادہ اسے قائل کرنے کا تھا اور شاید پہلے بھی ان تینوں کے درمیان یہ موضوع زیر بحث رہ چکا تھا۔ شفا کی الجھن حد سے سوا ہو گئی تب اس نے بے قراری سے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔

"آپ لوگوں کی چائے ٹھنڈی ہو گئی ہے اور لے آؤں؟" انہیں موضوع کے اصل متن سے ہٹانے کے لیے اس سے بہتر شفا کو کوئی حل نظر نہیں آیا تھا۔ سوٹ اٹھائے خود بھی کھڑی ہو گئی تھی۔ مگر محسن نے اسے اچانک روک دیا۔

"چائے پھر کسی روز پی لیں گے بھابھی۔ اب تو آنا جانا لگا رہے گا۔ رات کافی ہو گئی ہے اب چلتے ہیں۔ انس سے اس موضوع پر بعد میں بات ہو گی۔"

مہک کی خواہش کے برعکس جب محسن نے گھر چلنے کے لیے کہا تب شفا نے واضح طور پر مہک کے چہرے پر ناگواری دیکھی تھی۔ شاید وہ ابھی جانا نہیں چاہتی تھی۔ مگر یہاں رکنے کا بھی کوئی جواز نہیں تھا۔ سو اسے دل مسوس کر جانا ہی پڑا تھا۔

✿ ✿ ✿

رات بہت دیر تک کچن کا پھیلاوا سمیٹنے اور پھر انس اور شہزادی کے کپڑے پریس کرنے کے بعد شفا کمرے میں آئی تو انس کو جاگتا پا کر قدرے حیران ہوئی تھی۔ وہ دیر تک جاگ ہی نہیں سکتا تھا۔ چھٹی والے روز بھی جلدی سوتا اور جلدی اٹھتا تھا۔ مگر اس وقت اسے جاگتے دیکھ کر شفا کو خاصا تعجب ہوا تھا لیکن اس نے اپنی حیرت کا اظہار نہیں کیا۔ وہ کمرے میں آ کر بستر وغیرہ سیٹ کر رہی تھی۔ جب انس نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

"محسن بہت بدل گیا ہے۔" اس کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔ اب شفا بھلا اس بات پر کیا تبصرہ کرتی۔ محسن کو اس نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔

"پیسہ پاس ہو تو بندے میں کتنی تبدیلی آ جاتی ہے۔" انس اپنے سابقہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ وہ محسن سے متاثر نہیں تھا۔ تاہم وقت کی بدلتی کروٹ پر حیران ضرور تھا۔

"اللہ بھی کیسے کیسے لوگوں پر مہربان ہوتا ہے۔ تم نے دیکھی محسن کی بیوی۔ کیسی گلیمرس پرسنالٹی ہے اس کی۔ سویلائزڈ، ایجوکیٹڈ، پولائٹ... ورنہ تم کبھی محسن کی فیملی کو دیکھتیں اور اب اس کے آوارہ بھائی اپنا ریسٹورنٹ چلا رہے ہیں امریکا میں۔" انس کا انداز سراہنے والا تھا۔ مگر انس کی تعریفوں کا دائرہ مہک کے آس پاس ہی گھوم رہا تھا۔ "مہک نے محسن سے نہ جانے شادی کیسے کر لی ہے۔ بڑا نخرہ ہے اس میں۔ محسن بے چارہ تو شروع سے گائے ٹائپ تھا۔" اسے انس کے منہ سے مہک کی تعریفیں اچھی نہیں لگ رہی تھیں۔

"میں تو مہک سے مل کر خاصا حیران ہوا ہوں۔ بہت کانفیڈنٹ ہے اس میں۔ تم تو گلی کی نکڑ تک اکیلی

میں جا سکتیں اور وہ محترمہ نہ جانے ہر سال کس کس ملک کی خاک چھان آتی ہیں۔"

پھر اچانک کچھ خیال آنے پر وہ ذرا چونکا تھا۔ شاید اسے احساس ہوا تھا کہ وہ خود ہی بولے جا رہا ہے۔ سب تو خاموشی سے سن رہے ہیں۔

وہ اس وقت بھی اسے خاموش دیکھ کر چڑ گیا۔

"گھر آئے مہمانوں کے ساتھ ذرا سا ہنس بول لیتیں تو کیا حرج تھا۔ کیا سوچتی ہوگی مہک کہ کتنی بداخلاق ہو تم۔ جتنی دیر وہ لوگ یہاں رہے ہیں تم منہ بند کیے بیٹھی رہیں۔ کبھی مہک کے گھر جا کر دیکھنا اپنے اعلا اخلاق، خوش مزاجی اور ہنس مکھ طبیعت کے باعث کیسے محفل کے اندر جان ڈال دیتی ہے۔" انس کی توپوں کا رخ اچانک شفا کی طرف ہو گیا تھا اور وہ انس کو غصے میں دیکھ کر بوکھلا گئی۔

"میں بول تو رہی تھی۔" اس نے منمنا کر کہا تھا۔

"دیکھ رہا تھا میں۔ ایسے بیٹھی تھیں جیسے کسی نے گن پوائنٹ پر روک رکھا ہے۔" انس کا غصہ کسی طور پر کم نہیں ہو پا رہا تھا۔

"ایسی بات نہیں، میں آپ کی بے کار بحث سن رہی تھی۔" شفا نے قدرے رکھائی سے جواب دیا۔ انس بے کار بحث پر ایک دم چونکا۔

اس نے گھورتے ہوئے پوچھا۔ "کون سی بے کار بحث؟"

"وہی امریکا کے ستارے دیکھنے والی۔" شفا نے ناگواری سے کہا۔

"اچھا، کیسے بے کار بحث تھی؟" انس کی دلچسپی ایک دم دیکھنے کے لائق تھی۔ اس کی آنکھوں میں شوق کا جہان آباد ہو گیا تھا۔

"ہر لحاظ سے ہی بے کار تھی۔" شفا نے سابقہ روکھے انداز میں کہا۔

"محسن کے مشورے بہت درست تھے۔" جانے وہ شفا کے منہ سے کیا سننا چاہتا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلی ناگواری پر غور کرتے وہ کسی سوچ میں گم تھا۔ "کیا اچھے فیوچر کے لیے مجھے امریکا نہ سہی، اٹلی، فرانس، انگلینڈ کے لیے اپلائی نہیں کرنا چاہیے؟" وہ بہت سوچ سوچ کر اور تول تول کر بول رہا تھا۔

"ضرور کرنا چاہیے۔ بلکہ آپ محسن اور مہک کے ساتھ ہی امریکا نکل جائیں۔ روپیہ پیسہ آئے گا۔ میں بھی کھلا خرچوں گی۔ لیاقت صاحب کے مقابلے پر گلی میں بہت سوک کھڑی ہو گی، عالی شان محل بنائیں گے اور میں، میرے بچے، ہم سب جائیں بھاڑ میں۔" اس کے دماغ میں سوئیاں چبھ رہی تھیں۔ مہک کی بے تکلفی کے منظر یاد کر کے اس کی آنکھوں میں جلن ہونے لگی۔ انس اسے خاموش دیکھ کر ایک دفعہ پھر چڑ رہا تھا۔

"تم نے جواب نہیں دیا۔"

"میں کیا جواب دوں؟ پہلے بھی آپ اپنی مرضی کرتے ہیں۔ اب بھی اپنی ہی مرضی کریں گے۔" وہ جز بز سی ہو کر جواب دینے اٹھ گئی تھی۔ ادھر اس کے جواب کو مکارانہ جواب سمجھ کر انس آگ بگولا ہو رہا تھا۔

"یہی سمجھتی ہے۔ صاف صاف نہیں کہہ سکتی میری نظر سے دور ہو جاؤ۔ کل کے جاتے آج ہی نکلو۔ چار پانچ سال تو آنا ہی نہ۔ میں وہاں دھکے کھاؤں۔ اور یہ یہاں عیش و عشرت میں زندگی گزارے۔ ہونہہ جانتا ہوں میں ساری چالاکی کو۔" غصے میں بل کھاتا وہ مٹھیاں بھینچے ضبط کے کڑے مرحلے سے گزر رہا تھا۔ شفا اس کی سوچوں سے بے نیاز اپنی پریشانی میں الجھی بیٹھی تھی۔

"یہ محسن اور مہک جانے کہاں سے ٹپک پڑے ہیں۔ انس کا ذہن باہر جانے کے لیے بن گیا تو پھر بھلا کون روک پائے گا انہیں۔" وہ گیلی بھیگی آنکھوں کے ساتھ مسلسل سوچے جا رہی تھی۔ انس اس کے چہرے پر پھیلے تاثرات کو دیکھ کر جل بھن رہا تھا۔

"دام بھی سے خواب دیکھنے لگ گئی ہے۔ ہونہہ امریکا جا لی ہے میری جوتی۔ میں کیوں اپنی ماں اور بچوں کو چھوڑ کر پردیس میں دھکے کھاؤں۔ یہ تو میرے چلے جانے کے بعد شکرانے پڑھے گی۔" اس کا دل شفا سے

کچھ اور گھنا ہو گیا تھا۔ ذہن میں عجیب آگ سی لگی تھی۔ اس کی آنکھ لگنے لگی مگر کچھ ہی دیر بعد اسے شفا کی آواز سنائی دی۔

"انس۔۔۔ انس۔" وہ اس کا کندھا ہلا رہی تھی۔

"کیا ہے؟" انس گویا پھاڑ کھانے کو دوڑا۔

"وہ بچوں کو تو اٹھا لائیں۔" اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"رہنے دو ادھر ہی۔" انس نے غصے میں کروٹ بدل لی۔

"وہ امی کو تنگ کریں گے۔ مونس رات کو اٹھتا ہے۔" شفا نے لجاجت سے کہا۔ مگر انس ٹس سے مس نہ ہوا۔

"انس! آپ سن رہے ہیں۔" وہ منمنا رہی تھی۔

"نہیں' میں بہرہ ہو چکا ہوں۔" انس نے تنگ کر کہا۔ "اور تم بلیز امیلے کی طرح گونگی ہو جاؤ۔ میرے سونے کے وقت ہی تمہیں ساری ضروری کانفرنسیں یاد آتی ہیں۔" وہ جل بھن رہا تھا۔

"اچھا۔۔۔ سو جائیں۔" اپنی ناقدری پر ایسے ہی اس کا دل دکھ سے بھر جاتا تھا۔

اس نے تکیہ بھی منہ پر رکھ لیا۔

شفا کی آنکھیں بہنے لگیں۔ "اس کا اخلاق' رکھ رکھاؤ' حلیم مزاجی کے گیت گائے جا رہے ہیں اور میں جو اتنے سال سے بے زبان جانور کی طرح جی حضوری میں لگی ہوں' میرے لیے تعریف کے دو لفظ نہیں۔۔۔ کیسے دہرے معیار ہیں۔۔۔ دو رخے چہرے' باتیں' تنقظ۔" اس کا دل دکھ کی اتھاہ میں ڈوب رہا تھا۔ شاید جذبات کی شدت سے ایک آدھ سسکی نکل گئی تھی جو انس نے منہ پر سے چادر ہٹا کر شفا کی طرف دیکھا اور کرنٹ کھا کر اٹھ بیٹھا۔

"اب کس بات کا ماتم کر رہی ہو؟" وہ آگ بگولہ ہو کر بولا۔

شفا سوں سوں کرتی رہ گئی۔ انس اس کی خاموشی پر بھڑ گیا۔

"کیا ہوا ہے۔ کیوں رونا مچا رکھا ہے؟"

"آنکھ میں کچھ لگ گیا ہے۔" جلدی جلدی منہ پر دوپٹہ رگڑتے ہوئے اس نے اپنا رخ بدل لیا تھا۔

"کیا لگ گیا ہے؟" وہ کچھ فکر مند ہوا۔ "میری طرف منہ کرو۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرہ اپنی طرف موڑا تھا۔ سرخ آنکھیں' بھیگی پلکیں اور سرخ انار جیسے گال دیکھ کر اس کے دل کو دھکا سا لگا تھا۔

"کیوں رو رہی ہو؟" پہلے جیسی تندی لہجے میں نہیں تھی۔

"ایسے ہی۔" شفا بتا نہیں سکی تھی کہ اسے کس کس بات پر رونا آ رہا تھا۔ مہک کی تعریفوں پر' انس کی بے حسی پر' اس کے امریکا چلے جانے کے خوف سے یا مہک کی چبھن دینی اس بے تکلفی پر جو۔۔۔ مگر انس کے پوچھنے پر اس نے یکسر الگ بات کی۔

"مجھے ممی کی یاد آ رہی ہے۔" اسے پھر رونا آ گیا۔

"شاباش۔۔۔" وہ جز بز ہو گیا تھا۔ "رات کے اس پہر اتنی دور بیٹھی ممی کو سوچ رہی ہو' پاس بیٹھا چھ فٹ کا بندہ تمہیں نظر نہیں آتا۔ اچھا بھلا تمہارے آنسوؤں سے پگھل رہا تھا۔ خوامخواہ ممی کا ذکر چھیڑ کر موڈ خراب کر دیا۔" انس کا لہجہ اور انداز فوراً بدل گئے تھے۔ اس کی گلابی آنکھیں' معصوم سا چہرہ۔ انس کو شادی کے اوائل دن یاد آ گئے تھے۔ تب بھی وہ ممی کی یاد میں ایسے ہی آنسو بہاتی تھی۔ انس تب بھی اس کے آنسوؤں پر بوکھلا جایا کرتا تھا۔

"تم ممی سے فون پر بات کر لو۔" انس کو فوری طور پر کوئی متبادل حل نظر نہیں آتا تھا اور اسے یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اتنا بن سنور کر اسے بھلا ممی کو یاد کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اگر وہ ذرا سا غور کر لیتا تو اس کے سمجھ میں آ ہی جاتی۔ جو لڑکی اپنے سب بھائیوں' بہنوں سے لاڈ اٹھواتی اس کے گھر وداع ہو کر آ گئی تھی۔ جسے کچن کے کاموں کی سوجھ بوجھ ہی نہیں تھی۔ وہ صبح سے لے کر شام تک کچن میں گھس کر اپنی محنت' مشق کر کے اپنے میکے کے خانساماؤں کو فون کھڑکا کھڑکا کر کھانے کی ترکیبیں پوچھ کر اس کے لیے مزے مزے کے کھانے بناتی تھی۔ پھر تین' تین گھنٹے اپنی

تیاری میں ضائع کرتی اور اسے بدلے میں اک نظر ستائشانہ نہ ملتی تو پھر اس نے ممی کی یاد کے بہانے رونا ہی تھاناں۔

دراصل انس کے مزاج میں تبدیلی تب آئی تھی جب وہ شادی کے بعد پہلی مرتبہ سسرال گیا تھا۔ چونکہ رشتہ بدل چکا تھا۔ سو ایک فطری سی جھجک محسوس ہو رہی تھی اسے۔ وہ جتنا زیادہ شفا کو پا کر خوش ہوا تھا۔ اتنا ہی زیادہ سسرال میں آ کر بدمزا ہوا۔ شروع شروع میں اس کی ساس اور سالیوں کا رویہ اس کے ساتھ خاصا جنگ آمیز ہوتا تھا اور جو لمحہ کے بعد اس کے کانوں میں "ہماری شفا بہت لاڈلی ہے۔ اس کا خیال رکھنا۔" انڈیلا گیا تھا' شفا کی بڑی بہن سلوی کی ہدایات سن سن کر انس کے کان پک گئے تھے۔

"شفا بہت لاڈلی ہے۔ بہت نخریلی ہے۔ (حالانکہ وہ نخریلی ہرگز نہیں تھی۔ یہ تو فقط انس پر رعب ڈالنے کے لیے کہا جا رہا تھا۔) شفا بہت الگ مزاج رکھتی ہے۔ تھوڑی سی پراوڈی ہے۔ چوزی لوگوں سے بات چیت کرتی ہے۔ نازک مزاج ہے۔ اس کا خیال رکھنا' ابھی ناسمجھ ہے۔ گھر کے کاموں کی سوجھ بوجھ نہیں ہے۔ کبھی پانی نہیں پیا۔ شفا کو تو کچھ پکانا نہیں آتا۔ کام کاج کے لیے نوکرانی رکھ لینا۔ اگر ہو سکے تو کھانا پکانے کے لیے خانساماں بھی رکھ لینا۔ شفا کو بوڑھی عورتوں کو سنبھالنے کا بھی کوئی تجربہ نہیں۔ اپنی امی کے لیے کسی نرس کی خدمات حاصل کرنا۔"

اتنی لمبی چوڑی ہدایات کے ساتھ ساتھ جو انہوں نے شفا کی شخصیت کے بارے میں تھبوت' بیچ مبالغہ آمیزی کی حد کرتے ہوئے بتایا تھا اسے سن کر تو انس کے سارے طبق روشن ہو گئے تھے۔ اسے سلوی پر بے حد غصہ آیا۔

"اپنی لاڈو رانی کے لیے پھر کسی ڈپٹی کمشنر کو ڈھونڈنا تھا۔ مجھ غریب پر ستم ڈھانے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی۔ میں اس پھولوں کے ٹوکرے کو کہاں کہاں اٹھائے پھروں گا۔" وہ تو بھنا بھنا کر آدھا ہو گیا تھا۔ اس ساری صورت حال پر خوب غور و فکر کیا اس نے اتنی لاڈو رانی' جس نے کبھی پانی بھی نہیں پیا تھا۔ وہ بھلا انس کے لاڈ پیار پر اور غیر ضروری توجہ پا کر اور کتنی بے کار ہو سکتی تھی۔ یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں تھا۔

انس نے تمام مروت بالائے طاق رکھ کر سلوی آپا سے سیدھی اور صاف بات کی تھی۔

"عورت کو اسٹرونگ اس لیے نہیں ہونا چاہیے کہ وہ مردوں کے شانہ بشانہ چلے' بلکہ اسے ایک گھر کی بنیاد اٹھانے' اس پر عمارت کھڑی کرنے کے لیے مضبوط بنایا جاتا ہے۔ میں ہر کام کے لیے الگ الگ نوکر افورڈ نہیں کر سکتا اور نہ ہی مجھے بیڈ روم سجانے کے لیے بیوی چاہیے تھی۔ آپ یقیناً سمجھ رہی ہیں میری بات۔ افسوس کے ساتھ کہہ رہا ہوں شفا میرے معیار پر پورا نہیں اترتی۔"

انس کے دوٹوک' کاٹ دار لفظ صرف سلوی کے ہی نہیں' بلکہ شفا کے دل میں بھی ترازو ہو گئے تھے۔ اسے یہ نہیں پتا تھا کہ سلوی آپا اور انس کے درمیان کون سی بحث چل رہی ہے۔ اسے بس یہ خبر ہوئی تھی کہ وہ انس کے معیار پر پورا نہیں اتر سکی۔ تب شفا کی خودداری' انا' وقار' عزت نفس کا بت پاش پاش ہو گیا تھا۔ اسے اتنی زور کی ٹھوکر لگی تھی کہ آج چھ سال بیت جانے کے بعد بھی وہ درد' وہ تکلیف' وہ زخم ابھی تک ہرا تھا۔ وہ انس کے معیار پر پورا نہیں اتر سکی۔ جانے انس کا معیار کیا تھا؟ اس کی پسند کیا تھی؟ مگر انس کے ان لفظوں سے لہولہان شفا دوبارہ کبھی خود سے بھی نظر ملا کر کھڑی نہیں ہو سکی تھی۔ اسے اپنی خوب صورتی' سلیقہ' رکھ رکھاؤ سب اپنا مذاق اڑاتا محسوس ہوتا تھا۔

وہ بہت اچھا کھانا نہیں بنا سکتی تھی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اسے کچھ پکانا آتا ہی نہیں تھا۔ گھر کے کام کاج کے لیے نوکر تھے اور بڑی بہنوں کی موجودگی میں اس پر کوئی ذمہ داری بھی نہیں تھی۔ مگر یہ بھی نہیں تھا کہ اسے کچھ آتا ہی نہیں تھا۔ اس نے خود کو اتنا بدلا کہ خود بھی حیران رہ گئی۔

سلوی آپا کے طویل ہدایت نامے پر غور و فکر کے بعد جو انس دوبارہ شفا کے سامنے آیا تھا۔ وہ پہلی اور

دوسری رات سے قطعاً مختلف انس تھا۔
شادی کے پانچویں روز اس نے شفا کو کچن کی راہ دکھادی۔

سلویٰ آپا نے انس کو شفا کے بارے میں بہت کچھ بتا دیا تھا۔ مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ ان کی لاڈلی بہن بہت سیدھا مزاج رکھتی ہے۔ اور وہ بہت کم گو ہے۔ حالانکہ اس کی کم گوئی کے بارے میں انس کو سب سے پہلے بتانا چاہیے تھا مگر ہمیں بھول ہوگئی۔ سو گزرتے وقت کے ساتھ انس کو شفا سے جو پہلا شکوہ ہوا تھا۔ وہ اس کی کم گوئی ہی تھی۔

انس نے کہا اسے گھر کی فضا پر امن چاہیے سو وقت گواہ تھا کہ آج تک کسی نے شفا کی اونچی آواز نہیں سنی تھی۔

گھر کی خاموش فضاؤں میں شہزادی اور سونس کی چہکاروں نے ہلچل مچادی تھی۔ شفا انس کے روکھے رویے اور بے اعتنائیوں کو سہتے سہتے عادی ہو چلی تھی۔

شفا کو سدھارنے کے لیے جو انس نے اپنا مزاج بدلا تھا تو اب خود بخود اس کے مزاج کی تلخی شخصیت کا خاصہ بنتی چلی گئی تھی۔ حالانکہ رابی کو اس کے بھائی کے ساتھ بیاہ کر انس میں ایک دفعہ پھر تبدیلی آئی تھی مگر یہ تبدیلی اتنی غیر واضح تھی کہ کوئی اسے محسوس نہیں کر سکا تھا۔

انس کے دھوپ چھاؤں جیسے کبھی سخت، کبھی نرم رویوں میں وقت بہت سبک رفتاری سے گزر رہا تھا۔ مگر اس بہتی ندی جیسے رواں وقت میں فرق مہک اور محسن کی آمد سے پڑا تھا۔

❋ ❋ ❋

خوب صورت سی نرم نرم سہ پہر کا وقت تھا۔ دیواروں سے پیلی دھوپ ابھی تک لشک رہی تھی۔ اب دن جلدی نہیں ڈھلتا تھا۔ دھوپ بہت دیر تک آنگن میں چکراتی تھی۔ آج موسم کے مزاج میں بہت تلخی نہیں تھی۔ وہ بچوں کو سلا کر آنگن میں بکھری چیزیں سمیٹ رہی تھی۔ انس معمول سے کچھ زیادہ ہی لیٹ ہو گیا تھا۔ دل ہی دل میں پریشان ہوتی وہ دو، تین مرتبہ گیٹ سے باہر بھی جھانک آئی تھی۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ انس کو اگر آفس میں دیر ہو جاتی تھی تو وہ ضرور فون کر کے اطلاع دے دیتا تھا۔

اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتی وہ ایک دفعہ پھر گیٹ تک آئی تھی۔ اسی وقت گیٹ پر اک نئی نکور چمکتی گاڑی کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ مگر دوسرے ہی پل اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند جگمگانے لگا تھا۔ گاڑی سے اترنے والا اس کا بھائی خیام تھا اور اس کے ساتھ رابی کو دیکھ کر شفا مارے مسرت کے گنگ رہ گئی تھی۔

"امید نہیں تھی۔ مجھے دیکھ کر صدمے سے مجسمہ بن جاؤ گی۔" خیام کی کھلکھلاتی آواز نے شفا کو سنبھلنے کا موقع دیا تھا۔ پھر رابی اور خیام سے مل کر جب وہ اوپر آئی۔ تب ہی انس بھی اچانک گھر آگیا تھا۔ خیام اور رابی کے سرپرائز پر اس کے تاثرات بھی کم و بیش شفا جیسے ہی تھے۔ بہن کو خوش دیکھ کر وہ بھی بہت خوش تھا۔ رابی کی اچانک آمد نے گھر کا ماحول بدل دیا تھا۔

"بہت دل گھبراتا تھا بھابھی! حالانکہ وہاں بھی بہت خیال رکھتی ہیں۔ مگر ماں کی بات کچھ اور ہوتی ہے۔ اگرچہ امی نے کرنا تو کچھ بھی نہیں۔ مجھے ہی ہولاتے رہنا ہے۔ پھر بھی سوچا پہلی دفعہ امی کے پاس ہی چلی جاؤں۔ خیام تو مانتے نہیں تھے، بس میں نے منا ہی لیا۔" رابی شرمیلی سی مسکراہٹ کے ساتھ شفا کو بتا رہی تھی۔ پھر ——— خیام کی محبت اور سسرال والوں کی تعریفیں۔ وہ بہت خوش تھی اور اسے خوش دیکھ کر امی اور انس بہت خوش تھے۔ اسے رابی کو مسرور دیکھ کر اپنا آپ سرخرو محسوس ہو رہا تھا۔

"تو پھر تم نے خیام کو کیسے منایا۔ مجھے بھی کوئی ڈھب، کوئی گر سکھا دو۔" شفا نے شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ اسی وقت اچانک انس نہ جانے کہاں سے آگیا تھا۔

"گر سیکھنے والی تمہاری عقل ہوتی تو اور کیا چاہیے تھا۔" اگرچہ اس نے سادہ انداز میں ہی بات کی تھی۔

تاہم شفا کو سراسر اس کا لہجہ تمسخر اڑاتا لگا تھا۔ اس کا چہرہ ایکدم سرخ ہو گیا۔

''اب ایسی بھی بات نہیں' شفا بھابی جیسا تو کوئی بھی نہیں۔'' رالی نے فوراً اس کی طرف داری کی تھی۔ وہ شادی سے پہلے جتنی ریوبی کم گو تھی۔ اب ایسی نہیں رہی تھی۔ شاید یہ خیام کا تحفظ دیا اعتماد تھا' جو اس کے لب و لہجہ سے چھلک رہا تھا۔

''تم تو شفا کی سائیڈ ہی لو گی۔ آخر تمہاری نند بھی تو ہے۔'' انس کا انداز چھیڑنے والا تھا۔ ''اگر تم سائیڈ نہیں کرو گی تو شفا اپنے بھائی سے کہہ کر تمہاری کٹ بھی لگوا سکتی ہے۔'' وہ رالی کو چھیڑ رہا تھا اور شفا کو لگ رہا تھا۔ شاید وہ اس پر طنز کر رہا تھا۔

''میرا بھائی ایسا کانوں کا کچا نہیں۔'' جانے کیسے شفا کے لبوں سے پھسل گیا تھا۔ تب انس نے گویا اس کا ریکارڈ لگا دیا۔

''تو کیا رالی کا بھائی کانوں کا کچا ہے؟'' وہ شوخ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے شفا کا بولنا بہت اچھا لگا تھا۔ چلو کسی بھی بہانے سے سہی' وہ بولی تو تھی نا۔

''تم نے رالی سے کیا کر سیکھنے ہیں؟ میں تو اس کا بھی استاد ہوں۔ مجھ سے سیکھ لو۔'' انس کی شوخیاں عروج پر پہنچی تھیں۔ شاید خیام کی چونچالی اب انس میں منتقل ہو گئی تھی۔ کیونکہ خیام ہزار مرتبہ انس' شفا اور رالی کو جتا چکا تھا۔

''تم تینوں انتہائی بور شخصیات ہو۔''

''اور تم خود کیا ہو۔'' انس نے مسکراتے ہوئے چھیڑا۔

''یہ شعبدہ بازوں کی ساری خصوصیات رکھتے ہیں۔'' رالی نے بھی ہنستے ہوئے گفتگو میں حصہ لیا تھا۔ تب انس کو رالی کے دوبدو بولنے اور حاضر جوابی پر اچھو لگ گیا تھا۔

''دیکھ رالی! تمہاری زبان کے تو سارے زنگ اتر گئے ہیں۔''

''یہ سراسر میرا کمال ہے۔'' خیام نے مصنوعی کالر اکڑائے تھے۔ انس خاصا متاثر نظر آنے لگا تھا۔

''تمہاری بہن کر ہنسنا اور بولنا بھی سکھا دیا ہے۔ اب یہ ہر فن میں ماہر ہے۔ میری بڑی بہنوں کے ساتھ پورا پورا مقابلہ کر سکتی ہے۔'' خیام کی شرارتی مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی۔ تب رالی نے بے حد ناراضی سے کہا تھا۔

''میری مجال ہے جو میں بڑی آپیوں کے ساتھ مقابلے کرتی پھروں۔ مجھ ہوش کے ناخن لیا کریں۔'' رالی کے خفگی دکھانے پر خیام بے ساختہ ہنس رہا تھا۔ شفا بھی ان کی نوک جھونک سے محظوظ ہو رہی تھی۔

''رالی میری سنگت میں تھوڑی مسخری ہو گئی ہے۔ جبکہ شفا تمہاری ہمراہی میں کچھ زیادہ ہی بردبار' سنجیدہ ٹائپ' جس بات پر قہقہہ لگانا ہوتا ہے اس پر یہ صرف مسکراتی ہے اور جس پر مسکرانا ہوتا ہے۔ یہ بس منہ بنا کر بیٹھ جاتی ہے۔'' خیام کے تجزیے نے انس کو چونکا دیا تھا۔ وہ بے ساختہ ٹھنڈی آہ بھر کے بولا۔

''میرے زخموں کو چھیڑ ڈالا ہے ظالم!''

''تو ان زخموں کا کچھ علاج کرو۔'' خیام نے مخلصانہ مشورہ دیا تھا۔ وہ ان دونوں کے درمیان عجیب سی اجنبیت کی دیوار کھڑی محسوس کر کے قدرے متفکر تھا۔ تب ہی اس نے واپس آنے سے قبل موقع پا کر اپنے خدشے کا اظہار کر دیا تھا۔ شفا کچھ پل کے لیے خیام کے درست اندازے پر ساکت رہ گئی تھی۔ مگر پھر نہ جانے کس رو میں اس نے برسوں کے خوف اذیت اور دکھ کے ساتھ انس کے موجودہ رویے کا بھی ذکر کر دیا تھا۔

''انس کی ناپسندیدگی کے باوجود ان کے ساتھ رہنا میری اپنی خواہش ہے۔ ان کی ہر تلخی کو سہنا' ہر تکلیف کو برداشت کرنا میرے صبر کی آزمائش ہے۔ پر اب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے۔ میں سب کچھ سہہ سکتی ہوں مگر یہ نہیں۔'' وہ لرزتے ہونٹوں پر ہاتھ رکھے سسک رہی تھی۔ تب خیام نے عجیب سی گھبراہٹ کے ساتھ بہت عجلت میں پوچھا تھا۔

''مگر یہ کیا نہیں؟'' اس بات کا جواب شفا نہیں دے سکی تھی۔ پھر پورے دو ماہ بعد اسے اپنی بہن کے

آنسوؤں اور تکلیف کا جواب مل ہی گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ایک بہت پاکیزہ اور سہانی صبح رالی نے ایک صحت مند بیٹے کو جنم دیا اور لاہور سے تقریباً" شفا کا پورا میکہ بچے کو دیکھنے پنڈی پہنچ گیا تھا۔ اس کی تینوں بہنیں' ممی' خیام' اپنے سب رشتوں کو اتنے عرصے بعد اکٹھا دیکھ کر شفا پھول کی مانند کھلی جا رہی تھی۔

اس کی شادی کے اتنے سال بعد پہلی مرتبہ اس کی بڑی بہن یہاں آئی تھیں اور وہ سب ہی شفا کے کم آنے پر شکوہ کر رہی تھیں۔

امی نے ان کے شکوؤں کے جواب میں کہا تھا۔

"آپ نے تو شفا کو باندھ ہی لیا ہے۔ اب رالی گھر جاتی ہے تو شفا بھی رہنے کے لیے جائے گی۔" امی کا دو ٹوک فیصلہ سن کر انس قدرے ٹھٹھک گیا تھا۔ وہاں اتنے لوگوں کی موجودگی میں تو اس نے بولنا مناسب نہیں سمجھا تھا مگر تنہائی پاتے ہی وہ فکر مندی سے کہہ رہا تھا۔

"رالی کے ساتھ تم بھی چلی جاؤ گی۔ وہ بھی رہنے کے لیے۔ پیچھے ہمارا کیا بنے گا۔" اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ شفا کے لاہور جا کر رہنے کا خیال ہی سوہان روح تھا۔ اتنے سالوں میں وہ ایک مرتبہ بھی تو رہنے نہیں گئی تھی۔

"تو کیا میں اپنے میکے نہیں جا سکتی؟" وہ روٹھی سی بولی انس کچھ دیر کے لیے چپ سا ہو گیا تھا۔

"میں نے یہ کب کہا ہے۔ جاؤ' شوق سے جاؤ۔" کچھ دیر بعد وہ خفگی سے بولا۔

"تو جاؤں گی' ضرور جاؤں گی۔ میرا بھی دل نہیں کرتا ہے' اپنے بہن بھائی سے ملنے کو...." شفا نے رکھائی سے کہا۔

"بہن بھائی سب مل تو گئے ہیں۔" انس بڑبڑایا۔

"ویسے ہی یہاں سے فرار کے بہانے ڈھونڈتی ہو۔" وہ فوراً" ہی بدگمان ہونے لگا تھا مگر اب کی دفعہ شفا نے پروا نہیں کی تھی۔

"تم فکر مت کرو اچھا۔ میں کچھ دن تک تمہیں لاہور لے جاؤں گا۔ ابھی مت جاؤ۔"

"اس مہربانی کی کوئی ضرورت نہیں۔" شفا نے جتا کر جواب دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ان دنوں مہک کے پھیرے بہت بڑھ گئے تھے۔ صرف شفا نے ہی نہیں بلکہ امی اور شازی نے بھی محسوس کر لیا تھا۔ وہ جب بھی آتی' شفا کو امریکا کے قصے سناتی۔ وہاں زندگی کتنی چمک دار ہے' سہولیات کا انبار ہے۔ بجلی' پانی سب کچھ وافر۔ بچوں کو اسکول بھیجنے کے وظیفے الگ۔

"تم دل بڑا کر لو' انس کو باہر بھیج دو۔ دیکھنا آسائشات کا انبار لگ جائے گا۔ یہ گھٹیا ٹائپ کے کام نہیں نہیں کرنے پڑیں گے۔"

وہ جواب دیے بغیر اپنے کاموں میں جتی رہتی تھی۔ تب مہک بےزار ہو جاتی۔

"مجھے لگتا ہے' تم خود ہی ترقی نہیں کرنا چاہتیں۔" مہک مایوس ہی ہو جاتی۔

شفا کچھ دنوں سے ایک بات بہت نوٹ کر رہی تھی کہ مہک ہمیشہ اسی وقت آتی تھی' جب انس کے آنے کا وقت قریب ہوتا۔ پھر انس کے ساتھ طویل بحث و مباحثہ چلتا۔ اس دوران وہ کئی کئی کپ چائے بنوا کر پی جاتی تھی۔ انس کے ساتھ اس کی بڑھتی بے تکلفی شفا کا فشار خون بلند کرنے کے لیے کافی تھی۔

خصوصاً" چھٹی والے روز تو مہک اور محسن دونوں ادھر ہی ڈیرا جما لیتے تھے پھر مہک کے فرمائشی پروگرام چلتے۔ کبھی کبھی تھوڑی بہت مدد بھی کروا دیا کرتی۔

امی اور شازی تک اس کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر حیران تھیں۔

ایک صبح شازی نے آفس کے لیے تیار ہوتے انس کو پکڑ لیا۔

"یہ محسن اور مہک کا کیا معاملہ چل رہا ہے۔" شازی کا لہجہ بے انتہا سنجیدہ اور پراسرار قسم کا تھا۔ انس

کا ہاتھ تھام لیا۔

"کیا مطلب ؟"

"ہر وقت تمہارے سر پہ سوار رہتے ہیں۔ آخر ان کے ساتھ مسئلہ کیا ہے۔"

"کچھ ضروری معاملات ڈسکس کرنے ہوتے ہیں تب ہی بے چارے آجاتے ہیں ورنہ ان کے پاس کہاں وقت کہاں ہے۔" انس نے لاپروائی سے کہا۔ ابھی شازی نے مزید کچھ پوچھنا تھا۔ مگر انس کے موبائل بجنے پر خاموش ہوگئی کمرے سے نکلتے ہی لگی تھی جب انس کے منہ سے مہک کا نام سن کر پھر ٹھٹک گئی۔

"مہک کو سارے کام تم ہی سے ہوتے ہیں۔ اس کا اپنا شوہر کہاں ہے۔" انس نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔

"اتنی برائی کیلئے داری ہے بھر دوست ہے میرا۔ اگر میں اس کے کسی کام آجاؤں گا تو اس میں حرج کیا ہے۔" انس کے چہرے پر ناگواری آگئی۔ شازی جز بز سی باہر نکل گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

مہک نے آؤٹنگ کا پروگرام بنایا تھا جس میں زبردستی انس اور شفا کو بھی گھسیٹ لیا۔ شفا کا دل ہرگز بھی مہک کے تفریحی پروگرام میں شامل ہونے کا نہیں تھا۔ مگر انس اور بچے بہت خوش تھے۔ پھر شازی بھی جونکہ ساتھ تھی سو وہ کچھ مطمئن تھی۔

وہ سب اسلام آباد کے جنگل میں موجود سید پور گاؤں کے پکنک پوائنٹ "ولیج پروڈیس" میں آئے ہوئے تھے۔ مہک کی باچھیں کھلی پڑی تھیں۔

بڑا خوب صورت اور رومانوی قسم کا ماحول تھا۔ کہیں دور بانسری کی دھن ماحول کو سحر انگیزی بخش رہی تھی۔

گرما گرم سیخ کباب اور ہانڈی گوشت سے پیٹ بھر کے مہک نے پہاڑ پر چڑھائی کا شور مچا دیا تھا۔ مگر محسن نے فوراً انکار کر دیا۔ وہ بھاری جسامت رکھتا تھا اور کچھ پیٹ بھر کے کھانا کھا لینے کے بعد اس سے مزید چلنے اور پہاڑ پر چڑھنے کی ہمت نہیں تھی مگر مہک کی ضد پر محسن نے بہت عاجزی کے ساتھ انس کی منت کی تھی۔

"یار! تم اس کے ساتھ چلے جاؤ۔" وہ اونچے بلند و بالا پہاڑ کو دیکھ رہا تھا جس کے بیچ سے پتھر کاٹ کر تنگ سی سیڑھیاں بنائی گئی تھیں۔

"اچھا..." انس تھوڑی سی پس و پیش کے بعد مان گیا۔ انس نے ذرا دیر رک کر شفا سے کہا۔

"بچوں کا دھیان رکھنا میں بس ابھی آتا ہوں۔" اس کے چہرے کے کھلے تاثرات ملاحظہ کرنے کے بعد بھی وہ رکا نہیں تھا۔ شفا خاموشی سے ان دونوں کو جاتا دیکھ رہی تھی جو برگد کے درخت کی اوٹ سے اوپر چڑھائی کی طرف جا رہے تھے۔

شازی برساتی نالہ عبور کر کے دوسری طرف دکانوں میں تانک جھانک رہی تھی۔ واپس آئی تو شفا کو تنہا بیٹھا دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"باقی سب کدھر ہیں؟ انس، بچے اور وہ... منحی تینہ..."

شفا نے گردن موڑے بغیر رکھائی سے بتایا۔

"بچوں کو محسن بھائی سندر دکھانے لے گئے ہیں اور منحی تینہ تمہارے بھائی کی بغل میں... وہ اوپر دیکھو ذرا۔" اس نے دور پہاڑ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ چھوٹی چھوٹی تنگ سی سیڑھیوں پر آگے پیچھے انس اور مہک چل رہے تھے اور شاید کسی موضوع پر بات چیت بھی ہو رہی تھی۔ پھر شاید مہک کا پیر رپٹ گیا تھا۔ اس نے بے ساختہ چیخ کر انس کو پکڑا۔ ادھر انس بھی شاید اسے سہارا دینے ہی گیا تھا۔ وہ مہک کا ہاتھ پکڑے سنبھل سنبھل اسے چلا رہا تھا۔ شازی سے یہ منظر دیکھا نہ گیا۔ وہ شفا پر الٹ پڑی تھی۔

"یہ سب کیا ہے؟ تم نے انس کو کیوں جانے دیا؟"

"وہ مجھ سے پوچھ کر تھوڑی گئے ہیں۔" اس کی آواز بھیگ رہی تھی۔ انس اور مہک اب ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھے۔ شفا کا دل جیسے بند ہونے لگا۔

جب گھنٹہ بھر مزید گزر گیا تب محسن بھی قدرے بے چین ہوا۔

"ابھی تک واپس نہیں آئے۔" وہ کروٹن اچکا اچکا کر پہاڑ کی وسعتوں میں انہیں تلاش رہا تھا۔ شازی اس کی بے چینی ملاحظہ کر کے تلخی سے بولی۔

"بھائی صاحب! آپ خود بھی ساتھ چلے جاتے۔ اب وہ تو اپنی مرضی سے ہی آئیں گے۔" اس کی تلخی کے جواب میں محسن کی ہنسی اسے سخت بری لگی تھی۔

"مہک کو ایسے ایڈونچرز کا بہت شوق ہے۔" محسن ان کی معلومات میں اضافہ کر رہا تھا۔

"بھاڑ میں گئے ایسے بے غیرت ایڈونچر۔ نسوبیوی کو دوست کے ہمراہ بھیج دیا۔ تف ہے ایسی امریکن بیوی اور لبرل ازم پر۔" شازی کی بڑبڑاہٹیں عروج پر تھیں۔ محسن ایک دفعہ پھر بچوں کو آس پاس کی مارکیٹیں گھمانے لے گیا تھا۔

تقریباً" آدھے گھنٹے بعد مہک اور انس واپس آتے دکھائی دیے تھے۔ مہک ذرا تھکی تھکی نام پہلے سے بھی پرجوش دکھائی دینے کی کوشش کر رہی تھی۔ حالانکہ اتنی چڑھائی نے اسے خاصا تھکا ڈالا تھا۔

مہک بہت پرجوش انداز میں محسن کو اپنے ایڈونچر کی تفصیل بتا رہی تھی۔ انس کے تاثرات البتہ نارمل تھے۔ وہ موبائل کی طرف متوجہ تھا۔

"تم نے کچھ نہیں خریدنا۔" مہک کو شاپنگ بیگ کا ڈھیر اٹھائے دیکھ کر انس بھی شفا کی طرف متوجہ ہوا تھا تب شفا کے کچھ بولنے سے پہلے ہی مہک بول اٹھی تھی۔

"میں اتنا کچھ لے کر آئی ہوں۔ یہ بچوں اور شفا کے لیے ہی تو ہے۔" مہک کی خوش اخلاقیوں کی اور مہربانیوں کی کوئی حد نہیں تھی۔ انس کی نظروں میں اچھا بننے کے لیے وہ نجانے کیا کیا پاپڑ بیل رہی تھی۔

شفا کے لیے یہ صورت حال خاصی متوحش کر دینے والی تھی۔ مگر وہ اپنی انتہائی کم گوئی کے باعث خاموش تھی۔ سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس کے اعتراض کو انس نے اہمیت نہیں دینی تھی۔

☼ ☼ ☼

یہ اسی اتوار کی بات تھی جب صبح صبح مہک بن سنور کر ان کے گھر چلی آئی۔ چونکہ انس چھٹی والے روز بھی دیر تک نہیں سوتا تھا سو اسے ناشتا کرتے دیکھ کر مہک کی باچھیں کھل گئیں۔

"شکر ہے تم جاگ رہے ہو ورنہ میں تو سوچ رہی تھی جانے کتنا انتظار کرنا پڑے۔" وہ اپنا چھوٹا سا کلچ گھماتی انس کے برابر والی کرسی پر بیٹھ چکی تھی۔

"ناشتا کرو گی؟" انس کو آداب میزبانی کا خیال آیا۔

"نیکی اور پوچھ پوچھ۔" اس نے فوراً مسکراہٹ سجا کر پراٹھا پلیٹ میں رکھ لیا تھا۔ "ویسے تو میں بہت ڈائٹ کانشس ہوں نا مگر تمہارے گھر پہ کچھ بھی کھانا اچھا لگتا ہے۔" وہ جھکی آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

"تم تیار ہونے میں کتنا ٹائم لگاؤ گے۔" شفا ان کے سامنے چائے کی پیالیاں رکھ رہی تھی جب مہک نے عجلت میں انس سے پوچھا۔

"بس پندرہ منٹ۔" انس نے چائے کا کپ اٹھا لیا۔ وہ دونوں شاید کہیں جا رہے تھے۔ شفا کو ایک دم بے انتہا غصہ آگیا۔

"انس! مجھے ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔" اسے انس کو روکنے کا کوئی اور جواز نہیں ملا تھا۔

"شفا! ڈاکٹر اتنی صبح نہیں ملے گا۔ گھنٹہ بھر کا کام ہے بس میں ابھی گیا اور ابھی آیا۔" انس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔ مہک چونک گئی۔

"شفا کو ...... جانا ہے۔ انس! تم پہلے شفا کو لے جاؤ۔ ہم لنچ آورز میں بھی چلے جائیں گے۔" انس کے سامنے اپنے نمبر وہ کسی طور کم نہیں کرنا چاہتی تھی اور نہ ہی اپنی اچھائیوں کا گراف گرا سکتی تھی۔ شروع شروع میں شفا کو وہ خاصی نخریلی اور موڈی سی لگی تھی مگر اب تو گویا شہد میں نہائی لگتی تھی۔

"کیا ابھی چلو گی؟" انس بھی سوچ میں گم ہو گیا۔

"نہیں میں پھر چلی جاؤں گی۔ آپ اپنا کام کر لیں۔" غصے کے گھونٹ بھرتی وہ برتن اٹھا کر کچن میں چلی گئی تھی۔ انس کچھ دیر تک رکا رہا تھا پھر وہ دونوں کسی موضوع پر بات کرتے نکل گئے تھے۔ جبکہ شفا کا مارے

غصے کے برا حال تھا۔ وہ کتنی ہی دیر تک مختلف سوچوں کے راز میں الجھی رہتی کہ فون کی گھنٹی نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ ثنازی کا فون تھا اور اس نے جھوٹتے ہی مہک کے بارے میں پوچھا تھا۔

"ابھی ابھی انس کو ساتھ لے کر نجانے کہاں گئی ہے۔"

"اتنے سویرے کون سا ضروری کام تھا؟" اس کا انداز کچھ سوچتا ہوا تھا پھر اس نے قدرے جھجکتے ہوئے شفا کو سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"انس سے بات کرو، ہر وقت مہک کا دم چھلا بنا رہنا مناسب نہیں۔ جو بات ہمیں کھٹک رہی ہے۔ کل کو محلے والے بھی باتیں بنانا شروع کر دیں گے۔" شفا دھک سے رہ گئی۔ یعنی بات پھیل رہی تھی۔ اس کا دل رکھ کی انتہاؤں میں گر رہا تھا۔ جیسے مان اور اعتبار کی کرچیوں سے زخم زخم ہو رہا تھا اور یہ نوکیلے کانچ اسے شام سویرے تو نہیں چبھوتے تھے۔

شفا کو رونا آگیا۔ وہ تو ویسے بھی بڑے کمزور اعصاب کی مالک تھی۔

☆ ☆ ☆

رات خاصی بھیگ چکی تھی جب شفا ای کو دوا دے کر پورے گھر کی لائٹس آف کرنے کے بعد اپنے کمرے میں آئی تھی۔ اس نے انس کو فون پر مصروف پایا تھا۔ آج کل تو اس کے کانوں سے فون ہٹتا ہی نہیں تھا۔

مگر فی الحال انس نے شفا کو دیکھ کر فون ایک طرف رکھ دیا تھا۔ اس کا شفا کے ساتھ باتیں کرنے کا ارادہ تھا۔ سوائے کپڑے اٹھا کر کونے میں رکھے آئرن اسٹینڈ کی طرف بڑھتا دیکھ کر ٹھنڈی آہ بھر کر بولا۔

"ہر وقت دھوبن، باورچن، سونبھر بنی نظر آتی ہو۔ کسی ٹائم بیوی بھی بن جایا کرو۔ محبوب کی ڈیمانڈ کرنا تو سراسر فضول ہے۔" وہ تکیہ گود میں رکھے کشن کو کراؤن کے ساتھ چپکائے نیم دراز سا تھا۔

"اب یقیناً" تم نے دو گھنٹے کی سوچ بچار کے بعد جواب دینا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو، مجھے نیند ہی آجائے۔" اس کا انداز بھرپور شرارتی تبسم کا تھا۔

"تو سو جائیں آپ۔" شفا تڑخ کر بولی۔

"تم تو چاہتی ہی یہی ہو۔ میں جل بھن کر سو جاؤں اور تم مجھ پر جادو ٹونے کرتی رہو۔" انس نے ہمیشہ کی طرح اسے بولنے پر اکسانے کے لیے ایسی بات کہی تھی جو اس کے دل پر جا لگی۔

"میں آپ پر ٹونے کرتی ہوں؟" شفا کا منہ کھلا رہ گیا۔ پہلے تو مجھے کبھی جادو گرنی نہیں کہا۔ یہ سب مہک کی سکھائی پٹیاں ہیں۔ اسے بے طرح رونا آگیا۔

"تو اور کیا کرتی ہو میں بھونکتا رہتا ہوں تم منہ ہی منہ میں بدبداتی ہو۔ اونچا اسی لیے نہیں بولتیں کہ میں سن نہ لوں۔ نہ جانے کون سا اسم پڑھتی ہو کہ اتنی حسین، حسین طرحدار قسم کی کولیگز ہیں۔ میں ان کو دیکھ بھی نہیں سکتا۔ تمہارے ٹونوں کا اثر جو ہوتا ہے۔ ہر خوب صورت لڑکی مجھے چڑیل نظر آتی ہے۔ گورے گورے چہرے مجھے سیاہ نظر آتے ہیں۔ نفاست سے کیے گئے میک اپ مجھے رعول اور مٹی نظر آتے ہیں۔" آنکھوں میں شرارت بھری تھی۔ لہجے میں سنجیدگی تھی۔ شفا نے کون سا گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا جو اس کا مسکراتا چہرہ نظر آجاتا۔ وہ تو انس کے الزام پر تڑپ اٹھی تھی۔

"میرا اعتقاد اتنا کمزور نہیں جو میں جادو ٹونے کرتی پھروں۔ ایسے حربے آزمانے کی مجھے ضرورت نہیں۔"

"تو پھر کوئی اور حربہ استعمال کر لیا کرو۔ دیکھو میرا تو دل روز بروز پھسلتا ہے اگر ہاتھ سے پورا نکل گیا تو میں کچھ نہ کر سکوں گا۔" انس مسکراتے ہوئے بول رہا تھا۔ شفا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ پھر اس نے سوچا وہ کیوں اپنی کمزوری انس پر عیاں کرے۔ ایسے تو وہ اور شیر ہو جائے گا اس نے اپنی بھیگی آنکھوں کو چپکے سے پونچھ لیا تھا پھر قدرے رکھائی سے بولی۔

"مجھے کوئی پروا نہیں۔ آپ کا دل جہاں مرضی پھسلے۔"

"سچ؟" انس نے مصنوعی تعجب کا اظہار کیا۔ "تم

مجھ سے خفا تو نہیں ہو گی اگر میں کوئی چھوٹا موٹا افیئر چلا لوں۔"

"آپ کو کب میری خفگی کی پروا رہی ہے۔" اس کا انداز تیکھا تھا۔ انس نے فوراً جواب دیا۔

"پروا ہے تب ہی تو اجازت لے رہا ہوں۔"

"ہونہہ.... مرضی ہے آپ کی۔" شفا کو پھر سے ڈھیروں رونا آگیا۔

"یعنی تم مجھے اجازت دے رہی ہو؟" انس نے ایک دفعہ پھر جھوم کر پوچھا۔ اس کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔

"مجھے نہیں پتا۔" شفا نے الماری میں کپڑے زور زور سے پھر ٹھونسے۔ "بھاڑ میں جائے یہ گھر اور آپ۔" وہ سلگتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی تھی اور انس کی مسکراہٹ بھی ایک دم تھمی۔

"بھاڑ میں جائے یہ گھر اور میں۔" انس گویا سن سا رہ گیا تھا۔ "یہ شفا بول کر گئی ہے؟" اسے گویا یقین نہیں آرہا تھا اور اسے صبح تک بھی یقین نہیں آیا تھا۔

وہ معمول کے مطابق اٹھا تھا پھر تیار ہو کر کچن میں آیا تو شہزادی ٹھنک رہی تھی۔ انس کو دیکھ کر یہ خفگی کچھ اور بڑھ گئی۔

"خیریت تو ہے؟ شہزادی صاحبہ کا مزاج برہم نظر آ رہا ہے۔" وہ اس کے برابر رکھی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

"میں آپ سے ناراض ہوں پاپا!" شہزادی نے توس کھاتے ہوئے خفگی سے کہا۔

"میری شہزادی کیوں ناراض ہے۔" انس نے اسے کرسی سے اٹھا کر گود میں بٹھا لیا۔

"آپ...!" شہزادی کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ شفا نے سخت لہجے میں ٹوکا۔

"دھیان سے ناشتا کرو' تمہارے ابو کے پاس وقت نہیں۔" اس کا لہجہ انتہائی کھردرا تھا۔ شہزادی قدرے سہم گئی تھی۔ انس بھی شفا کے روکھے انداز پر چونک گیا تھا۔ پھر شفا کے برہم تاثرات ملاحظہ کر کے اس کی پیشانی پر بھی بل پڑ گئے تھے۔

"میرے پاس اپنے بچوں کے لیے بہت وقت ہے' سو تم ان کے ذہن آلودہ نہ ہی کرو تو بہتر ہے۔" چائے کی پیالی میز پر کھسکا کر وہ برہمی سے کہتا اٹھ گیا تھا۔

"میرے بچے ہیں اور میں ان کی تربیت کرنا جانتی ہوں۔ مجھے کوئی ضرورت نہیں بچوں کے ذہن آلودہ کرنے کی۔" شفا کی بڑبڑاہٹ نے انس کے بڑھتے قدم روک دیے۔

"میں یہاں کوئی سین کری ایٹ نہیں کرنا چاہتا اور یہ تم سے ایسی توقع رکھتا ہوں۔ شہزادی کے سامنے اس قسم کے کھردرے بے زار لہجے میں میرے ساتھ بات مت کیا کرو۔" وہ تنبیہی انداز میں اسے ٹوکتا باہر کی طرف نکل گیا تھا جبکہ شفا نے بھی پہلی مرتبہ اپنا تمام تر غصہ برتنوں کو پٹخ پٹخ کر نکالا۔ لاؤنج میں بیٹھی امی ہکی بکی رہ کر پلکیں جھپکا رہی تھیں۔

لنچ پر ابھی وہ آیا ہی تھا کہ مہک اور محسن بھی چلے آئے۔ شفا چپ کر رہ گئی۔

ان دونوں میاں بیوی کی اپنے گھر میں بڑھتی آمد و رفت دیکھ کر شفا کا ضبط جواب دے رہا تھا۔ اوپر سے مہک کا بڑھتا التفات۔ بچوں اور انس پر گویا صدقے واری جاتی تھی۔

اس وقت بھی جلے پیر کی بلی بنے وہ نجانے کب سے خود کو تھکا رہی تھی' جب مہک نے آکر اس کی سوچوں میں مداخلت کی۔

"شفا! سر درد سے پھٹ رہا ہے۔ کیا چائے مل سکتی ہے۔" اسے تیسری مرتبہ چائے کی طلب ہو رہی تھی۔ شفا نے اس کی فرمائش سن کر اسے گھورا۔

"میری بھی طبیعت ٹھیک نہیں۔ کچھ دیر آرام کروں گی' پھر بنا کر دوں گی۔" مہک پھیکا سا چہرہ لیے پلٹ گئی تھی۔ یقیناً اس کی رکھائی اور تلخی کو اس نے محسوس کر لیا تھا۔

شفا بھی جلتی کلستی اپنے کمرے میں اندھیرا کیے لیٹ گئی تھی۔ اس کا دل بھر بھر آرہا تھا۔ جی چاہتا تھا' سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کسی جنگل میں چلی جائے۔

ایک بے حیا عورت اپنے شوہر کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ایک دوسری عورت کے شوہر کو

پھانس رہی تھی۔ ہروقت اس کے پہلو میں لگی رہتی تھی۔

رات کے انتہائی پہر بھی فون کر کے بلا لیتی تھی۔ جانے اس کا بے غیرت شوہر کہاں مرا ہوا تھا۔

شفا جتنا سوچتی اتنی ہی اس کے اندر چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔ دل چاہ رہا تھا کہ ہر ایک چیز کو آگ لگا دے۔ لمحہ لمحہ بہت بھاری تھا۔ وقت رینگ رینگ کر گزر رہا تھا۔ نیند تو آئی ہی نہیں اسے۔ وہ لوگ کب گئے اسے پتا نہیں چلا۔ انس نے بھی جھانک کر نہیں دیکھا۔

☼ ☼ ☼

انس مارے اہانت کے ابھی تک سلگ رہا تھا۔ شفا کے وہ الفاظ اسے بھول نہیں پارہے تھے۔ وہ اپنی کھٹارا سی گاڑی کو بے مقصد ہی سڑکوں پر بھگا رہا تھا۔ سوچیں منتشر تھیں۔ غصے کا گراف بڑھتا جارہا تھا۔ اس کے موبائل پر بار بار محسن کی کال آرہی تھی۔ پھر کچھ دیر بعد مہک کے نمبر سے کال آنے لگی۔ انس کا کسی سے بھی بات کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ اس نے موبائل بند کر کے ڈیش بورڈ پر پھینک دیا۔

چار پانچ گھنٹوں کی خواری کے بعد جب وہ واپس گھر آیا تو راستے میں ہی اپنے گیٹ پر کھڑی مہک کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ وہ شاید اپنے ہی خساروں میں گم مہک کو دیکھ کر چونکتا نہیں مگر مہک نے خود ہی اسے اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا۔

ذرا غور کرنے پر انس نے دیکھا تو پتا چلا مہک رو رہی ہے۔ اس کا نازک سا وجود لرز رہا تھا۔ چہرے کی رنگت زردی مائل ہو رہی تھی۔ انس کو اپنی پریشانی بھول گئی تھی۔ لمحہ بھر کے لیے اسے شفا بھی بھول گئی تھی۔

"مہک! تم ٹھیک ہو کیا ہوا؟ محسن کہاں ہے؟" وہ فکر مندی سے بولتا ہوا مہک کے ہمراہ اس کی عالیشان کوٹھی کے لاؤنج میں آگیا تھا۔ مہک کے گرتے آنسو ابھی تھمے نہیں تھے۔ وہ پوری شدت کے ساتھ رو رہی تھی۔

"انس! انس... میرا بھرم ٹوٹ گیا۔ میں برباد ہو گئی۔" مہک کے آنسوؤں میں اور شدت آگئی تھی۔ انس کو عجیب سی گھبراہٹ ہونے لگی۔

"آخر ہوا کیا ہے۔ محسن کہاں ہے؟" انس نے روتی ہوئی مہک کو بازوؤں سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔

"وہ اپنے کمرے میں ہے۔" مہک نے سسکیوں کے درمیان بتایا۔ "محسن سب جان گئے ہیں انس! اب کیا ہوگا؟ وہ... نہیں پا ئیں گے۔" مہک روتے روتے اس کے کندھے سے آلگی تھی۔ انس گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ وہ مہک کو تسلی دلاسے دے رہا تھا۔ وہ اس کے بازو سے سر ٹکائے ابھی تک سسک رہی تھی۔ وہ اس کی کسی بھی ہدایت پر عمل نہیں کر رہی تھی۔ انس گویا بے بس ہو گیا تھا۔ تب ہی ایک دم لاؤنج کا دروازہ کھلا۔ انس نے گردن گھما کر دیکھا تھا اور پھر لمحہ بھر کے لیے اس کا چلتا سانس رک سا گیا۔ مہک کے گرد پھیلا اس کا بازو کٹے ہوئے شہتیر کی طرح پہلو میں آگرا تھا۔ اس کے آنسو پونچھتا انس کا ہاتھ وہیں فضا میں منجمد ہو گیا تھا۔ گرد کا طوفان اٹھا تھا۔ تیز تیز چلتے بگولے ہر طرف دھول ہی دھول مٹی ہی مٹی۔

وہ بے یقینی کے عالم میں اپنی ماں اور بیوی کو دیکھ رہا تھا۔ ان کے چہروں پر ایسی حیرت ایسا دکھ اور ایسی بے یقینی تحریر تھی کہ انس کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی بہت کچھ سمجھ کر زمین کے اندر گویا گڑ گیا تھا۔

"انس! یہ سب کیا ہے؟ تو ایسا تو نہیں تھا میرے بیٹے!" امی بھربھری ریت کی طرح بکھر بکھر جارہی تھیں۔ کہنے سننے کو کچھ بچا ہی نہیں تھا۔ جب تک مہک یا انس اس غیر فطری صورت حال کو سمجھتے تب تک شفا لڑکھڑائی گرتی پڑتی امی کے ساتھ گھسٹتی چلی گئی تھی۔ انس کے معطل ہوتے حواس شفا کو جاتے دیکھ کر دھیرے دھیرے کام کرنے لگے تھے۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" انس زیر لب بڑبڑاتا باہر کی طرف لپکا جبکہ مہک کسی آندھی سے اکھڑے درخت کی مانند کارپٹ پر ڈھیر ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

شفا کو گھر چھوڑے آج چوتھا روز تھا۔ ممی' بہنوں اور خیام کے ہزار مرتبہ پوچھنے پر بھی اس نے منہ سے ایک حرف تک نہیں نکالا تھا۔ وہ لوگ پوچھ پوچھ کر تھک گئے تھے۔ دوسری طرف انس سے بھی کوئی رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس صورت حال نے گھر کے ہر فرد کو پریشان کر رکھا تھا۔ شفا کی بس ایک ہی رٹ تھی۔

"مجھے اس گھر میں واپس نہیں جانا۔" اس کی ضد نے ممی کو حواس باختہ کر رکھا تھا۔

سلویٰ آپا سمیت اس کی دوسری بہنیں بھی جسٹ متفکر تھیں۔ سب سے بڑی بات وہ بچوں کو بھی چھوڑ آئی تھی۔

ممی اور سلویٰ آپا کو ہول اٹھ رہے تھے۔ انس سے رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ سب کی متفقہ رائے تھی کہ خیام کو پنڈی بھیجا جائے۔ رانی کی نیندیں اڑی ہوئی تھیں۔ خیام کے تیور بھی بگڑے بگڑے محسوس ہوتے تھے تاہم وہ شفا سے حتمی بات کرنے کے بعد ہی پنڈی جانا چاہتا تھا۔ مگر شفا کی اٹل چپ نے سب کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

اس کی یہ چپ تب ٹوٹی جب ایک سہ پہر مہک اور محسن اس کے میکے چلے آئے۔ رات بارہ بجے کی فلائٹ سے ان کی واپسی تھی اور جانے سے پہلے وہ شفا سے بات کرنا چاہتے تھے۔

سلویٰ آپا کی ہزار منتوں کے بعد شفا نے مہک سے بات کرنے کا ارادہ کیا تھا ورنہ وہ تو اس گھناؤنے کردار والی عورت سے کلام کرنا نہیں چاہتی تھی۔

مگر جب مہک نے دل پر چکی کے پاٹ رکھ کر شفا کو بتایا اور اس کی کچھ باتیں سنائیں تو مارے خوف اور وحشت کے شفا کا رواں رواں کانپ اٹھا تھا۔ اس کا وجود برف کی طرح سن ہو گیا تھا۔ اس کے حواس معطل ہونے لگے تھے۔

☆ ☆ ☆

اس دن وہ سہ پہر کی ہلکی پھلکی نیند لے کر وہ باہر آئی تو لیاقت صاحب کی بیوی کو امی کے پاس بیٹھے دیکھ کر رک گئی۔ لیاقت صاحب کی بیوی گویا آنکھیں ماتھے پر رکھ کر آئی تھیں۔

"بہن! اپنے بیٹے کو سنبھالو' اس گلی محلے میں عزت دار شریف لوگ رہتے ہیں اور تمہارا بیٹا۔۔۔ توبہ توبہ۔۔۔ اللہ جھوٹ نہ بلوائے۔۔۔ رات کے دوسرے پہر جانے کس کس نے اسے محسن کے گھر جاتے دیکھا ہے اور صرف ایک مرتبہ نہیں' کئی مرتبہ اور پھر محسن کے بارے میں کون نہیں جانتا' وہ تو نامرد ہے۔ ہماری آنکھوں کے سامنے پلا بڑھا ہے۔ ماں نے بات چھپائے رکھی۔ پھر بیرون ملک بہن کی بیمار بیٹی سے بیاہ دیا۔ بھلا ہو اس لڑکی کا جس نے اسے امریکا بلایا۔ پیسہ ہاتھ آیا تو عزت بھی مل گئی۔ مگر اب جوان' خوب صورت بیوی کو بغل میں دبائے پھر رہا ہے۔ بہو بیٹیوں والی ہوں' بات کچھ زیب نہیں دیتی۔ پر ایک بات سن لو' تمہارے بیٹے کا چلن درست نہیں۔ اس امریکی عورت نے تمہارے بیٹے کو اپنے دام میں الجھا لیا ہے۔ لوگ تھو تھو کر رہے ہیں' کچھ تو آنکھیں کھول کر دیکھو۔" اس عورت کے شعلے برساتے لفظوں نے شفا کے ساتھ ساتھ امی کے وجود کو بھی سوکھا بالن بنا دیا تھا۔

وہ دونوں ایک دوسرے سے ایسے نظر چرانے لگیں کہ ذرا سی بھی زمین چٹخی اور وہ اس میں سما جائیں۔ امی کو اپنے بیٹے پر اتنا یقین تھا کہ پہاڑ بھی ٹوٹ پڑتے مگر ان کا یقین ہلکا نہ ہوتا۔

ادھر شفا کا اعتبار' یقین' اعتماد' محبت سب ریزہ ریزہ ہو گئی تھی۔

اسے لگتا تھا وہ کبھی سر اٹھا کر جی ہی نہیں پائے گی۔

وہ اپنے واہموں کو بے بنیاد سمجھتی رہی' اپنے خدشوں کو جھٹلاتی رہی۔ مگر حقیقت تب اپنی کریہہ صورت لے کر نمودار ہوئی جب اس شام انس اپنے وقت پر گھر نہیں آیا تھا۔

امی کے ساتھ ساتھ شفا کے دل کو بھی پتنگے لگے ہوئے تھے اور وہ دونوں ہزار دفعہ گیٹ سے باہر جھانک آئی تھیں۔ ان کی کئی گھنٹوں سے انتظار میں جمی آنکھوں کو قرار تب آیا جب انس کی کار گیٹ پر رکی۔

وہ دونوں ساس بہو دروازے پر آئی تھیں مگر ان کے آنے سے پہلے ہی انس سامنے والے گھر کے گیٹ کو عبور کر گیا تھا۔

نجانے کون سی ایسی قوت تھی جو اسے کھینچ گھسیٹ کر محسن کے گھر لے آئی تھی۔ شفا تو اسی کے ساتھ گھسٹتی جا رہی تھی مگر ماں دو جاکر ان دونوں کے سروں پر آتش فشاں پھٹ پڑا تھا۔

نظر کو چھیننے والا وہ منظر جس میں مہک انس کے کندھے سے سر لگائے آنسو بہا رہی تھی اور اس کے وہ الفاظ۔

"محسن سب جان گئے ہیں انس! اب کیا ہوگا۔ وہ نجانے کیا کریں گے۔"

مہک کی روتی آواز انس کے زخم ستا رہا تھا۔ اس اور شفا کی آنکھیں اور دل پھٹتا جا رہا تھا۔ قریب تھا کہ وہ دونوں چیخ چیخ کر پورے جہاں کو اکٹھا کر لیتیں مگر عزت کی ماری ان دونوں عورتوں کو رسوائی گوارا نہیں تھی۔ وہ مخفی انس کو آزردہ نظروں سے دیکھ کر پلٹ آئی تھیں۔ ان نظروں کی اذیت کو صرف انس ہی محسوس کر سکتا تھا۔

پھر شفا بغیر کچھ کہے سنے، جھگڑے، شکوہ کیے اسی خاموشی کے ساتھ اس کا گھر چھوڑ گئی تھی۔ جس خاموشی کے ساتھ دلہن بن کر انس کے گھر آئی تھی۔

انس کے روکنے، اس کے منت کرنے، سمجھانے، وضاحت دینے کے باوجود وہ اپنے فیصلے سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹی تھی۔ حالانکہ انس کی ماں بھی اسے روکتی رہیں، التجائیں کرتی رہیں۔

"بیٹی! ایک دفعہ اس کی بات تو سن لو۔" وہ دروازے تک اس کے پیچھے آئی تھیں۔ "کم از کم ایک موقع تو دو۔ اسے وضاحت کرنے کی مہلت تو دو۔ جلد بازی میں اپنا آشیانہ مت بکھیرو۔"

"وضاحتوں کا وقت گزر گیا ہے۔ میرے ضبط اور صبر کی انتہا ہو چکی ہے۔ اگر میں یہاں مزید رکی تو خود کو ختم کر لوں گی۔"

پچھلے چھ سال کی تمام ریاضتوں کو کیسے انس نے مٹی کر دیا تھا۔ وہ بھلا اس کی نگاہ میں دوبارہ کھرا ہو سکتا تھا۔ ماسے اپنے پاپا کے فیصلے پر بری طرح رونا آیا۔

☼ ☼ ☼

"میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔" اس کی آواز بہت بوجھل تھی۔ مہک نے آج بھی گہرا میک اپ کر رکھا تھا۔ وہ نرم سی گرم زرین خوشبوؤں میں بسی تھی۔ اس کا لباس بھی ہمیشہ کی طرح قیمتی تھا۔ ہاتھوں کی انگلیوں میں قیمتی انگوٹھیاں پہن رکھی تھیں۔ اس نے اپنی شخصیت کو بہت خوب صورت لبادے میں ڈھانپ رکھا تھا۔ شفا نے ایک زہریلی نگاہ سے اس کا جائزہ لے کر سر جھکا لیا تھا۔ وہ مزید اس کا چہرہ دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہاں سے شروع کروں... مگر تمہیں بتانا تو ہے اور جب تک کچھ بتاؤں گی نہیں تم سچائی کو کیسے جان پاؤ گی۔" وہ ہاتھ ملتے ہوئے کسی سخت اذیت کا شکار تھی۔ شفا کو اس کی آواز بھیگی محسوس ہو رہی تھی۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس نے پھر سے کہنا شروع کیا تھا۔

"ہم چھ بہن بھائی ہیں۔ ہمارے سیدھے سادے دیہاتی والدین تھے۔ پاپا کی خوش نصیبی انہیں چالیس سال پہلے امریکا لے گئی تھی، تب امریکا کے ویزے ملنا بہت مشکل نہیں تھا۔ ماما سے شادی پاپا کے امریکا چلے جانے کے دس سال بعد ہوئی تھی۔ یہ خالصتاً "کزن میرج" تھی۔

ہمارے سیدھے سادے والدین کے بچے بہت تیز طرار، زمانہ ساز قسم کے تھے۔ پڑھائی میں تو کوئی بھی نہ چل سکا۔ مگر آزاد معاشرے میں پروان چڑھنے کے باعث دنیاداری بہت سیکھ لی۔ ہمارے رنگ ڈھنگ، رہن سہن اور امریکی معاشرے کی گہری چھاپ ہمارے باپ کو بڑی جلدی دل چھوڑنے پر مجبور کر گئی تھی۔ وہ اتنے سیدھے تھے کہ اپنے بچوں کو کنٹرول ہی نہ کر سکے۔"

مہک کی ٹوٹتی آواز میں شکن کی کرچیاں چبھ رہی

تھیں۔ شفا کو بھلا اس کے قصے کہانیوں سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی مگر ہمیشہ کی طرح وہ لب بستہ مہک داستان سن رہی تھی۔

"قصہ مختصر میرے سب بہن بھائی اپنے ہی گھر میں اپنی من پسند زندگی گزار رہے تھے۔ کھلے عام محفلیں جمتیں۔ دونوں بہنوں نے ہندو لڑکوں سے شادی کر لی' بھائی بھی بدھ مت لڑکیوں کو بیاہ لائے۔ اسی کونے میں بھجن سنکی رہتیں۔ میں خود کو اپنے بہن بھائیوں سے مختلف نہیں سمجھتی تھی مگر میرے اندر ان کو برائی کرتے دیکھ کر بھی گناہ کرنے یا برائی کرنے کی خواہش پیدا نہیں ہوئی۔ میں شروع سے بہت خوب صورت اور کم گو قسم کی لڑکی تھی۔ بچپن میں میری خوب صورتی سے لوگ بہت متاثر رہا کرتے تھے مگر جیسے جیسے میں بڑی ہوتی گئی میرا وجود ہلکا پھلکا ہوتا گیا۔ یعنی میری صحت بگڑتی گئی۔ مگر گھر میں کسی کے پاس فرصت نہیں تھی جو مجھے ڈاکٹر کے پاس لے جاتا۔ ماں میں اتنے کس ہی نہیں تھے۔ انہیں تو عمر بھر بولنا ہی نہیں آیا تھا۔ ساری زندگی ایک چپ کے ساتھ گزار دی۔ بہت سال گزر جانے کے بعد مجھے پتا چلا تھا کہ میری ماں کی خاموشی میں چھپے درد کی آخر وجہ کیا تھی۔

میری بیماری گھر کی چار دیواری تک محدود تھی' مجھے کوئی ڈاکٹر علاج کے لیے نہ ملا۔ نہ میں نے علاج کی طرف توجہ دی۔ بس مجھے کھانے کی عادت تھی اور میں ٹوکریاں بھر بھر کے فروٹ کھاتی تھی۔ جوس پیتی تھی سو میری صحت خود بخود بحال ہونے لگی۔

ان ہی دنوں ماں نے میرا رشتہ اپنے بھانجے سے طے کر دیا۔ ہمارا نکاح ہو گیا' پھر محسن امریکا آ گیا۔ محسن کے امریکا آنے سے دو دن پہلے میں اچانک بے ہوش ہو گئی۔ مجھے ایمبولینس بلوا کر ہسپتال پہنچایا گیا اور پھر میری زندگی کے ایک اور تاریک دور کا آغاز ہوا۔

میرے اندر ایڈز کے جراثیم پائے گئے تھے۔ میں زندہ ہونے سے پہلے ہی مر گئی تھی۔ میری بیماری کا میرے بہن بھائیوں کو پتا چلا تو انہوں نے مجھے اچھوت کا مریض سمجھ کر ایک کونے سے چپکا دیا۔ میرا اپنے ہی گھر میں ایک کمرے کے علاوہ کسی دوسری جگہ داخلہ منع ہو گیا۔ میری بھابھیاں مجھے کچن میں گھسنے نہیں دیتی تھیں۔ میرے ساتھ کسی کتے کی طرح سلوک کیا جاتا۔

میرے گھر والے مجھے گھر سے نکالنے کے پروگرام بنا رہے تھے مگر انہی دنوں میری ماں مر گئیں۔ ماں کو دفنا کر بھائیوں نے مشترکہ فیصلہ کیا کہ مجھے کسی ہسپتال میں پہنچا دینا چاہیے۔ مگر یہ معاملہ التوا میں تب پڑا جب محسن امریکا آ گیا۔

وہ ایک کم صورت اور شریف نوجوان تھا۔ مجھے محسن اپنے باپ جیسا سیدھا اور معصوم لگا۔ وہ ایک محنتی نوجوان تھا۔ وہ پاکستان سے اپنے گھر والوں کو بہترین زندگی دینے کے خواب لے کر دنیا کے اس کونے میں آیا تھا۔

محسن نے بتایا وہ نارمل نہیں ہے اور وہ صرف اپنے ماں باپ کے مجبور کرنے پر منگنی کے لالچ میں امریکا آیا ہے۔ وہ چاہتا تھا' مجھے آزاد کر دے تاکہ میں اپنی زندگی نئے سرے سے شروع کروں مگر میری خواہش پر وہ ہمیشہ خاموش ہو جاتا تھا۔

میرے بھائیوں نے مجھے باپ کی جائیداد یعنی اکلوتے مکان سے بے دخل کر دیا تھا اور یہ محسن ہی تھا جس کی بدولت میں نے پھر سے جینا شروع کیا۔ وہ بہت محنتی تھا' اس نے بہت محنت کی' پاکستان سے اپنے بھائیوں کو بلا کر سیٹ کیا۔ اپنا سپر اسٹور خریدا۔ پاکستان میں گھر بنایا۔

مگر جب ہم سب کچھ حاصل کر چکے تب میرے بھائیوں اور محسن کے بھائیوں نے ہم پر اپنی کمینگی کے باعث زندگی تنگ کر دی تھی۔ انہوں نے ہمارا فلیٹ ہتھیا لیا اور اسٹور پر قبضہ کر لیا۔ محسن اتنے دلبرداشتہ ہوئے کہ پولیس کو اطلاع کیے بغیر پاکستان آ گئے۔ بقول محسن کے انہیں مادی چیزوں کی ضرورت نہیں تھی۔ بعد میں بھی تو محسن کے بھائیوں نے ہی استعمال کرنا تھا' سب انہوں نے ابھی لے لیا۔ کیا حرج ہے۔

میں پاکستان نہیں آنا چاہتی تھی۔ مجھے رشتوں سے

عجیب سی نفرت ہو گئی تھی۔ محسن سے ضد بھی کی' لڑائی بھی کی۔ پاکستان کو اور پاکستانیوں کو برا بھلا کہا مگر محسن اپنی بات سے نہ ہٹے۔

یہاں پاکستان میں آکر جب میں انس سے ملی۔ انس کی فیملی سے ملی تو میرے اندر ایک ملال بھری کسک کم ہونے لگی۔ تمہارے بچوں کو پیار کرنا' چھوٹا اُن کے لیے تحفے لانا میرا معمول بن گیا۔

جب میں پہلی مرتبہ تمہارے گھر آئی تو میرا رویہ بڑا تلخ تھا۔ شاید تم مجھے مغرور سمجھی نہیں مگر ایسا نہیں تھا۔ میں رشتہ داروں کی خوشامد اور چاپلوسی سے عاجز تھی پھر تمہارا الیا وار روبرو دیکھا تو حیران رہ گئی۔ مجھے تم اپنے رشتہ داروں سے مختلف لگی تھیں۔ پھر انس اور تمہاری بھرپور فیملی کو دیکھ کر مجھے لگا' میرا کچھ کھو گیا ہے۔ میرا وہ قیمتی وقت جو میں نے امریکا میں گزار کر ضائع کیا۔ کاش میں پہلے پاکستان آجاتی۔ تم لوگوں سے ملتی۔ ایک بھرپور فیملی کے ساتھ وقت گزارنے کا لطف لیتی۔

اور انس جو مجھے بھائیوں سے بڑھ کر عزیز ہے۔ جانے کیسے وہ میرے اتنے قریب آگیا۔ اس کی ہمدردی اور خلوص' جس کا مول ہی کوئی نہیں تھا۔ یہ انس کی محبت اور خلوص تھا جو میں اور محسن اس کی بہتر زندگی کے لیے اسے امریکا جانے پر فورس کرتے رہے تھے۔ محسن کی خواہش تھی انس امریکا ہمارے ساتھ جائے پھر وہ اپنے بھائیوں پر کیس کرکے برابری واپس لے لیں مگر انس تم لوگوں کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا۔

پھر میرے مشورے پر انس نے اور محسن نے مشترکہ فیصلہ کرکے ہماری کوٹھی کو ایک جامعہ کی شکل دینے پر بہت محنت کی۔ یہ میری سب سے بڑی خوشی اور خواہش تھی کہ ہمارے گھر میں قرآن پڑھا جائے۔

ہمارے چلے جانے کے بعد اس گھر نے پھر سے بند ہو جانا تھا۔ کیا یہ بہتر نہیں تھا یہاں اللہ کا صبح شام ذکر ہونا۔ میرے اور محسن کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی ہماری روحیں قرآن کی تلاوت سنتیں۔

اس ضمن میں انس نے تمام بھاگ دوڑ کی تھی۔ مدرسے کے لیے سامان منگوایا۔ بچیوں کو سبق دینے والی قاریہ اور ان کے شوہر مفتی امین کو یہاں لے کر آیا۔ مفتی امین کو مدرسے کا منتظم اعلا بنایا۔

جس روز وہ بھیانک واقعہ پیش آیا تھا اس سے اگلے دن مدرسے کی افتتاحی تقریب تھی جو کل بخیر و عافیت انجام کو پہنچی ہے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا تمہارے ذہن میں گرد کیسے پڑی؟

دراصل ہوا کچھ یوں کہ محسن کو اچانک وفاق المدارس ملتان جانا پڑ گیا تھا۔ اس دوران میری کئی مرتبہ طبیعت خراب ہوئی۔ ہر دفعہ محسن کے کہنے پر انس مجھے ہسپتال لے کر جاتا رہا تھا اور وہیں اسے میری بیماری کا پتا چل گیا۔ میرا بھرم نجانے کیسے ٹوٹ گیا۔ یہ ایسی شرمناک بیماری تھی کہ میں نے اتنے سال محسن سے بھی چھپائے رکھی مگر انس کو خبر ہونے کا مطلب تھا محسن کو بھی پتا چل جاتا مگر انس نے میرا بھرم ٹوٹنے نہیں دیا۔ اس نے محسن کو کچھ نہیں بتایا۔

پھر ایک رات مجھے پھر سے شدید تکلیف ہوئی۔ محسن میری تکلیف پر گھبرا گئے۔ اسی گھبراہٹ میں انہوں نے انس کو فون کرکے بلوا لیا تھا۔ مجھے ہسپتال لے جایا گیا۔ ایک دفعہ پھر ٹیسٹ' دوائیاں' ڈاکٹر' رپورٹس اور محسن کو بھی خبر ہو گئی۔ یہ بیماری معمولی نہیں تھی کہ میں اسے چھپائے رکھتی۔ مجھے شدید صدمہ تھا' اسی صدمے کی کیفیت میں انس کو گھر لے آئی۔ دراصل میں انس سے جب تک کچھ شیئر نہ کر لیتی مجھے صبر نہیں آتا تھا۔

تب وہ سب کچھ ہو گیا جو ہونا نہیں چاہیے تھا۔ غلط فہمی ایسی تھی کہ فوری طور پر اس کا خاتمہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پھر محسن کو بھی تمہارے اور انس کے جھگڑے کی خبر ہو گئی۔ وہ جو میری بیماری پر پریشان تھے مزید پریشان ہو گئے۔ میں جو اتنے سالوں سے اپنی بیماری محسن سے اپنے تئیں چھپائے ہوئے تھی یہ انکشاف پر دنگ رہ گئی کہ محسن شادی کے ابتدائی دنوں سے ہی میری بیماری کو جان گئے تھے اور یہ محسن کی انتہا

غلطی تھی جو انہوں نے کبھی مجھے جتایا نہیں تھا۔ ہم دونوں اپنی اپنی کمزوری کے ساتھ بہت بھرپور زندگی جی رہے تھے۔ ہماری زندگی میں کوئی خلا نہیں تھا۔ کوئی کمی نہیں تھی اور جو کمیاں قدرت کی طرف سے ہمارے نصیب میں لکھی جا چکی تھیں ان پر ہم دونوں نے صبر کر لیا تھا۔

بس مجھے تم سے مزید کچھ نہیں کہنا صرف اتنی التجا ہے 'بدگمانی کی گرد جھاڑ کر دیکھو' ہر منظر صاف و شفاف نظر آئے گا۔ انس کی محبت اور اس کا کردار تمہارے سامنے ہے۔ وہ تم سے محبت کرتا ہے۔ تمہاری ساتھ مخلص ہے۔" اس کے مہک اپ زدہ چہرے پر آنسوؤں کی لکیریں تھیں۔ شفا کا دل گویا شرمندگی و خفت کے احساس سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

"مدرسہ کا افتتاح ہو گیا ہے جس میں پورے محلے نے شرکت کی تھی۔ لوگ جو میرے کردار کے بارے میں مشکوک تھے۔ سب کی زبانیں بند ہو گئی ہیں۔ ہم لوگ آج واپس جا رہے ہیں۔ در اصل محسن میرے علاج سے کبھی بھی مطمئن نہیں رہے۔ اب ہم ہر سال آتے رہیں گے۔ کم از کم جب تک وجود میں زندگی باقی ہے تب تک۔ جو مشعل ہم نے روشن کی ہے اس کو مزید روشنی دینا۔ تم اور انس ہی اب اس جامعہ کے اصل سربراہ ہو۔ انس کی زیر نگرانی ہمارا مدرسہ دینی علم کا سب سے بڑا مرکز بنے گا۔ ان شاء اللہ۔"

وہ اپنے آنسو پونچھ کر اٹھ گئی تھی تب شفا نے بے ساختہ اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ مہک کے گلے سے لگی بے تحاشا رو رہی تھی۔

"مجھے معاف کر دو مہک! میں نے تمہارے بارے میں اتنا غلط سوچا۔" وہ بری طرح سے سسک رہی تھی۔ یہ ندامت کے آنسو تھے جن کا بہہ جانا ہی بہتر تھا۔ تب مہک نے چپکے سے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"گھر چلی جاؤ۔ وہ تمہارا منتظر ہو گا۔ میں تم سے کبھی بھی ناراض نہیں تھی۔ البتہ انس تم سے بہت ناراض ہے۔" مہک کے ہونٹوں پر نرم سی مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔ اپنی خوشبو ہمیشہ کے لیے اس کے آس پاس چھوڑ کر وہ جلد واپس آنے کے لیے چلی گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

گیٹ کھلا تھا اور صحن میں پتوں کا ڈھیر بکھرا پڑا تھا۔ اس نے ذرا سا پلٹ کر خیام کی طرف دیکھا' وہ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ شفا نے اسے واپس چلے جانا کا اشارہ کیا تھا۔ وہ اندر آنے کے بجائے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا تھا۔

اک اطمینان بھری گہری سانس خارج کرتی وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گئی تھی۔ اندر سے عجیب شور کی آواز آ رہی تھی۔ اس کے آگے بڑھتے قدم رک گئے تھے۔

"میں اسے لے کر نہیں آؤں گا۔ جیسے گئی ہے' خود ہی آئے۔" انس غصے میں گرج رہا تھا۔ امی کی منمناتی آواز انس کے غصے تلے دب گئی تھی۔

"بچے رل گئے ہیں۔ سارا دن ماں کے لیے بلکتے ہیں۔" امی آبدیدہ ہو رہی تھیں۔ انس نجانے کیا اقدام کر رہا تھا۔ کچھ دیر تک خاموشی چھائی رہی۔ شفا نے دروازے کی جھری میں سے دیکھا۔ انس کچن میں کھڑا کچھ پکانے کی کوشش کر رہا تھا۔ امی کی بات سن کر کچن سے نکل آیا۔

"تین وقت پکا پکا کر ٹھونستا ہوں انہیں' پھر بھی رل رہے ہیں۔"

"ماں کی بات اور ہوتی ہے۔" امی نے دکھی دل کے ساتھ کہا۔

"تو میں نے اسے روکا ہے۔ یا گھر سے نکالا ہے؟ خود گئی ہے' خود ہی آئے۔ میں اب دوبارہ بارات لے کر تو جانے سے رہا۔" وہ ایک دفعہ پھر کچن کی طرف جا رہا تھا۔

"مجھ پر ایسے گھٹیا الزام لگائے تھے اس نے۔" انس زیر لب بڑبڑا رہا تھا۔

"کب الزام لگائے تھے وہ تو بے چاری چپ چاپ چلی گئی۔" امی شفا کی حمایت میں بولیں ایک دم دانتوں تلے زبان دبا لی گئی تھیں۔

"منہ سے کچھ نہیں پھوٹتا' یہ آنکھیں ساری حقیقت بیان کر دیتی ہیں۔" وہ آگ بگولا ہو رہا تھا۔

"بندے کا ظرف اعلیٰ ہونا چاہیے اور پھر معاف کرنے میں بڑائی ہے۔ غلط فہمی تو کسی کو بھی لاحق ہو سکتی ہے۔" امی برابر شفا کی وکالت کر رہی تھیں۔

"میرے سامنے کون ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے کھڑا ہوا ہے جو میں نے سنگدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے معاف نہیں کیا۔" اصل غصے کی وجہ کھل کر سامنے آ گئی تھی۔ شفا نے گہرا سانس کھینچ کر قدم اندر کی طرف بڑھا رہے تھے۔ محترم کو شفا سے معافی منگوانے کا ارمان تھا۔

"آپ اس کی ڈھٹائی ملاحظہ نہیں کر رہیں۔ ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری۔ بچوں کی پروا نہیں کی۔ ایک فون تک نہیں کیا۔ مہک اور محسن خوامخواہ صفائیاں پیش کرنے لاہور بھاگے۔ میں نے منع بھی کیا تھا۔ وہ جان بوجھ کر گھر چھوڑ کر گئی ہے۔ یہاں اس کا دل نہیں لگتا تھا۔ ایک دن بھی خوش نظر نہیں آئی۔ جب بھی دیکھا' منہ پر بارہ بجے ہی دیکھے۔ ماں باپ نے زبردستی جو میرے ساتھ باندھ دیا تھا۔ اچھا ہے' اپنی من پسند زندگی گزارے۔ مجھے کسی پر مزید مسلط نہیں ہونا۔ اپنے بچوں کو میں خود پال لوں گا۔ عمر بھر بچوں کی شکل دیکھنے نہیں دوں گا اسے۔" وہ غصے سے بڑبڑاتا اچانک آنے والی آندھی پر بوکھلا گیا تھا۔ ادھر سے ادھر بھاگتے ہوئے کھڑکیاں دروازے بند کر کے وہ اپنے کمرے کی طرف آیا تھا۔

"یہ طوفان کہاں سے آ گیا۔" وہ کھڑکیاں دروازے بند کر رہا تھا جب ایک دم سرما کی پہلی بارش خوب جوش و خروش سے برسنے لگی۔ تب انس کے تیز تیز چلتے ہاتھ پہلو میں گر گئے۔ وہ کھڑکی کے پٹ کھول کر کھڑا ہو گیا۔ بالارادہ ہی شفا یاد آنے لگی تھی۔

"کوئی ایسے بھی بدگمان ہوتا ہے؟" انس کو لگا' بارش کی کوئی بوند اس کی آنکھ میں اتر آئی ہے۔ اس نے پلکوں کو مسلا۔

"اس نے سوچا بھی کیسے میں مہک کے ساتھ کیا میں اتنا بے غیرت اور بے ضمیر انسان ہوں۔ کیا ان چھ سالوں میں اس نے مجھے بس اتنا ہی جانا اور پھر رستہ ہی بدل لیا۔" بارش کی بوندیں اس کی آنکھوں میں بجھنے لگی تھیں۔ تب ہی باہر بچوں کا شور سنائی دیا۔ شہزادی اور مونس کے چیخنے کی آواز آ رہی تھی۔

"امی آ گئیں... امی آ گئیں۔" وہ خوشی سے چلا رہے تھے۔ انس نے سر جھٹک کر کسی یاد سے دامن چھڑایا۔

انس کو اپنا وہم سا لگا تھا۔ مگر کچھ دیر بعد انس کا وہم حقیقت کا روپ دھارے اس کے سامنے مجسم آ کھڑا ہوا تھا۔

وہ بے یقینی سے کبھی باہر برستی بارش کو دیکھتا کبھی شفا کے چہرے کو۔

"میں معافی کی طلبگار ہوں اور ہاتھ اس شرط پہ جوڑوں گی کہ بغیر بازپرس کیے معافی مل جائے۔" اس کے ہاتھ انس کے شانے پر پھسل رہے تھے۔

"بچوں کو عمر بھر مجھ سے نہ ملانے۔ کتنے خطرناک عزائم تھے آپ کے حالانکہ جرم اتنا بڑا تو نہیں تھا۔" شفا کی آواز بھیگ رہی تھی۔ انس دم بخود کھڑا تھا۔

"جو شخص شادی کے چوتھے روز اپنی بیوی کے میکے میں کھڑا اس کی بہن سے کہے "معذرت کے ساتھ شفا میرے معیار پر پورا نہیں اتری۔" بھلا خود بتایئے اس چار دن کی دلہن پر کون سی قیامت بیت سکتی تھی اس وقت۔" آج شفا بول رہی تھی مگر انس خاموش تھا لیکن وہ زیادہ دیر تک خاموش نہیں رہ سکا تھا۔ یہ الزام اسے تڑپا دینے کے لیے کافی تھا۔

"تم نے میری بات سن لی۔ اپنی بہن کے ارشادات نہیں سنے تھے۔" وہ سابقہ انداز میں کلس کر بولا تھا۔ پھر شفا سے شکوے' وہ گلے جو اس کے اندر رو رہے تھے۔ شفا کا روٹھنا' اس کا منانا۔ مگر اب تو وہ روٹھا ہوا تھا اور شفا اسے منا رہی تھی۔ اس کی گنہگار آنکھوں نے یہ منظر بھی دیکھنا تھا۔ مارے خوشی کے وہ بے حال ہو رہا تھا۔ کون سی ناراضی اور کیسی ناراضی۔ اسے شفا کا بولنا اتنا اچھا لگ رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا۔ شفا بولتی رہے اور وہ

منتظر ہے۔ مگر خاموشی سے سننا بھی اس کے لیے محال تھا۔

"کون سے ارشادات؟" شفا چونکی۔

"یہی کہ ہماری شفا بہت لاڈلی ہے۔ بل کہ بریانی نہیں پکا سکتی۔ منہ میں نوالہ بھی خود ہی ڈالنا پڑتا ہے۔ تین چار نوکر اپائنٹ کرلو کھانا خود پکالینا ورنہ باہر سے لے آنا۔ گھر کے کام کاج آتے نہیں۔ تمہیں شوہر کے ساتھ ساتھ سوپر بھی بننا ہوگا۔" وہ آنکھوں میں شرارت بھرے مصنوعی غصے سے بول رہا تھا تب شفا کا مارے حیرت کے منہ کھل گیا۔

شادی کی چوتھی رات سے بدلے بدلے رویے کی اصل وجہ سمجھ آگئی تھی۔ وہ کیئرنگ شوہر سے بٹلر شوہر کیسے بنا تھا اور عجیب بات یہ تھی کہ اسے دکھ ہونے کے بجائے ہنسی آرہی تھی۔

"تمہاری سلوی آپا نے بہت دفعہ میرے اٹھارہ اٹھارہ طبق روشن کیے ہیں۔" وہ اسے مزید بھی تفصیل بتا رہا تھا تب شفا نے بے ساختہ اسے ٹوک کر حالیہ مسئلہ کی طرف موڑا۔

"تو آپ نے مجھے معاف کردیا ہے؟" وہ انس سے تصدیق چاہ رہی تھی۔

"معافی تو تمہیں مل ہی چکی ہے۔ میرے ہزار واٹ کے روشن چہرے کو دیکھ کر سمجھ میں نہیں آرہا تمہیں؟" انس نے مسکراتے ہوئے شفا کے گلابی چہرے کو دیکھا۔ اگرچہ وہ پہلے سے کافی کمزور لگ رہی تھی۔ انس کو دل ہی دل میں بہت پشیمانی ہوئی۔

"میں آپ سے بدگمان نہیں تھی بس صدمے کا شکار تھی۔ مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ آپ اور مہک ..." وہ دھیرے دھیرے اعتراف جرم کررہی تھی۔

"کچھ بھی بتانے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہاری کیفیات سمجھتا ہوں۔ بس اس ساری بے ترتیبی میں ایک چیز تو بالآخر واضح ہوگئی کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولتا ہوا آخر میں تھوڑا شرارتی ہوگیا تھا۔ تب شفا بھی قدرے ہلکے پھلکے انداز میں مسکرادی تھی۔ اس کے وجود پر چھایا غبار چھٹ گیا تھا۔

"اور اس بے ترتیبی، ہلکی سی بدگمانی اور میرے آپ کے خاموش جھگڑے میں مجھ پر بھی ایک انکشاف ہوا کہ آپ مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ اور میں آپ پر مسلط بھی نہیں، نہ آپ مجھ پر مسلط کیے گئے ہیں۔ آپ کی محبت تو یوں ظاہر ہوگئی تھی کہ ہر روز خیام کو فون کرکے میری خیریت پوچھتے تھے۔ سلوی اور ماورا آپا کے الگ سے کان کھا رکھے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ آپ کی انا آپ کو لاہور جانے نہیں دیتی تھی مگر آپ مجھ سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ میرے لیے محسن بھائی اور مہک کی اتنی پرکشش امریکا جانے کی آفر تک کو ٹھکرادیا۔ آپ مجھے اور بچوں کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتے تھے۔ میں نے ایسے ہی اتنے سال سسکتے ہوئے گزار دیے کہ آپ کو میری پروا نہیں۔"

شفا بھی جواباً انس کے کچھ بول کھولتی اس کی محبت پر شاداں سی شہزادی اور مونس کی پکار پر باہر کی طرف لپک رہی تھی جو چیخ چیخ کر سارا گھر سر پہ اٹھائے ہوئے تھے۔

"امی! پلیز بریانی بنا کر کھلائیں۔ ورنہ ابو تو ہر روز پائے، سوکھے توس، دلیہ اور روٹی کھلا کھلا کر ہمیں مارنے والے تھے۔" پھول سے کملائے بچے ماں کو دیکھ کر خوشی سے چہکار رہے تھے۔

ادھر انس خیام اور سلوی آپا کی غداری پر مصنوعی تاؤ کھا رہا تھا۔ پھر مسکراتے ہوئے خیام کو کال کرکے چھیڑنے لگا۔

"میرے راز لیک آؤٹ کیے ہیں بیٹا! ابھی تمہاری باری بھی آجائے گی۔" جواباً خیام کا قہقہہ سنائی دے رہا تھا۔ انس نے مسکراتے ہوئے کھڑکی سے باہر جھانکا۔

بارش تو آج بھی چھاجوں برس رہی تھی تاہم انس اور شفا کے دل پر جمی گرد اور خود ساختہ نقصان، شکووں گلوں کی گرد اتر گئی تھی۔ دھول، مٹی اور گرد کے پار روشن سویرا ابھر رہا تھا۔